

تاریخ اسلام سنہ ۱۱۱۱

تاریخ القرآن

از
مولانا حافظ محمد اسلم جیراچوری

مکتبہ جامعہ

دہلی - نئی دہلی - لاہور - لکھنؤ - بمبئی
قیمت ۸ روپے

بار سوم

سال ۱۹۲۶
مطبوعہ دتی پرنٹنگ ورکس ذیلی۔

فہرست مضامین

کتاب

تاریخ التشران

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۲۲	حقیقت حدیث	۷	ویساچ
۲۲	قرآن و حدیث میں فرق	۹	تہیید
۲۴	اصل دین قرآن ہے	۹	عربی خط
۲۵	نزول تشران	۱۱	نبی آتی
۲۵	مسئلہ خلق قرآن	۱۵	التشران
۲۶	معنی تنزیل	۱۵	وحی
۲۷	ابتدائے نزول	۱۸	الہام
۲۹	تاریخ نزول	۱۸	روح القدس
۳۰	تفریق نزول	۲۰	قرآن و حدیث
۳۰	سب سے آخری آیت	۲۱	اہتمام تنزیل

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۵۷	خط قرآن	۳۲	کفار اور مستہزئین
۵۹	اہتمام خط	۴۰	اسباب نزول
۶۰	حفاظ صحابہؓ	۴۰	موافقات صحابہؓ
۶۱	کتابت قرآن	۴۳	کئی اور مدنی آیات
۶۲	کاتبان وحی	۴۳	کئی اور مدنی آیات میں فرق
۶۳	قرآن کتاب ہے	۴۴	تکرار نزول
۶۵	جمع و تفران	۴۶	اجزاء قرآن
۶۶	کیفیت جمع	۴۶	روزاوقات
۷۰	مصحف عثمانؓ	۴۷	تعداد و سور و آیات
۷۱	حضرت عثمانؓ کا کام	۴۸	ترتیب قرآن
۷۲	اختلاف کی ایک مثال	۴۸	ترتیب آیات
۷۳	جمع ابو بکرؓ و عثمانؓ میں فرق	۴۹	ترتیب سور
۷۳	مصحف عثمانؓ پر اجماع	۵۲	ربط آیات
۷۴	الزوم تحریری	۵۲	قرآن مربوط ہے
۷۴	عثمانؓ کی بصاحت موجود ہے	۵۵	ربط قرآن پر تصانیف
۷۵	مصحف النبیؐ	۵۷	حفاظت قرآن

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۱۵	بحث نسخ	۷۶	رسم الخط
۱۱۵	معنی نسخ	۷۷	شیعہ اور قرآن
۱۱۶	قرآن میں نسخ نہیں ہے	۸۴	اختلاف قرأت
۱۱۷	منسوخ التلاوت	۸۵	وجہ اختلاف
۱۱۸	منسوخ الحکم	۸۸	تدوین فن قرأت
۱۲۳	اصول نسخ	۹۱	تجوید قرأت
۱۲۴	دیگر کتب آسمانی	۹۳	اعجاز قرآن
۱۲۴	بائبل	۹۴	دلائل اعجاز
۱۲۴	بائبل بے سند ہے	۹۴	تحدی
۱۲۵	وجہ تحریف	۹۶	اخبار الغیب
۱۲۸	اناہیل	۱۰۳	فصاحت و بلاغت
۱۲۹	وید	۱۰۶	جاؤبہ اثر
۱۳۳	تفاسیر قرآن	۱۰۸	عدم اختلاف معنوی
۱۳۶	تراجم قرآن	۱۰۹	سہولت حفظ
۱۳۶	اجازت ترجمہ	۱۰۹	اشوار علوم
۱۳۷	یورپ میں ترجمے	۱۱۲	حروف مقطعات

صفحہ	مضمون	صفحہ	مضمون
۱۴۴	معانی و بیان	۱۳۸	تراجم کی فہرست
۱۴۵	فقہ و اصول فقہ	۱۳۹	مترجمین کا تعصب
۱۴۵	کلام و عقائد	۱۴۰	ایک ترجمہ کی ضرورت
۱۴۶	مقبولیت و اشاعت قرآن	۱۴۱	قرآن کا پایہ علمی
۱۴۶	خط و تلاوت	۱۴۲	کتابت
۱۴۸	شوق کتابت	۱۴۳	علم تفسیر
۱۴۹	نشر و اشاعت	۱۴۳	سیر و معازی
۱۵۱	مدنییت اور قرآن	۱۴۳	حدیث و اسما الرجال
۱۵۳	فریضہ ملیہ	۱۴۴	ادب و لغت
۱۵۸	نظم خاتمہ	۱۱۴	صرف و نحو

دیباچہ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَنْزَلَ الْقُرْاٰنَ لِلهِدٰى اٰيَةً اِلَى الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِيْمِ
وَكَفٰى - وَالصَّلٰوةَ وَالسَّلَامَ عَلٰى رَسُوْلِهِ النَّبِيِّ الْاَمِيِّ الْمُصْطَفٰى وَقَعَلٰى
عِبَادَةَ الَّذِيْنَ اَصْطَفٰى - اَمَّا بَعْدُ - میں نے یہ کتاب تالیف فرمائی کہ قرآن مجید
میں لکھی تھی جب کہ میری عمر بھی کم تھی اور میرا علم بھی اب سے زیادہ محدود تھا۔
لیکن مسلمانوں کے دلوں میں قرآن کا جو اعزاز و احترام ہے اس کی وجہ سے
انہوں نے اس کی قدر کی اور یہ بعض بعض اسلامی کتبوں اور اسکولوں کی دنیاوی
کے نصاب میں بھی داخل کر دی گئی۔

تقریباً سات برس کا زمانہ ہوا کہ اس کے نسخے ختم ہو گئے۔ چونکہ بعض وجوہ سے یہ کتاب میری نظر سے گر گئی تھی اس لئے باوجود اس کے کہ اس کی مانگ بہت زیادہ تھی میں نے اس کو دوبارہ چھپوانا پسند نہ کیا اور بعض بعض اہل مطابع نے جو اس کے چھاپنے کی درخواست کی ان کو بھی اجازت نہ دی۔ لیکن احباب کے ہزار اور قوم کے بہیم تقاضے سے آخر مجبور ہونا پڑا۔ لہذا از سر نو اس کی ترمیم و اصلاح کی۔ پہلے نسخہ میں بہت سی غلطیوں کی باتیں تھیں ان کو خارج کیا۔ اور ان کے بجائے مفید اور ضروری مضامین پر حملے اور خود قرآن ہی سے اس میں زیادہ مدد لی۔ جس قدر آیتیں نقل کی ہیں آسانی کے لئے ہر ایک کا نشان دیدیا ہے۔ اوپر سہہ کا اور نیچے آیت کا عدد لکھ دیا ہے۔

مجھے امید ہے کہ اب یہ کتاب انشاء اللہ زیادہ سود مند ثابت ہوگی۔
وَهُوَ الْمُتَوَقِّفُ وَالْمُعِينُ۔

استاد تار بیخ و علوم اسلامیہ
جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی

محمد اسلم جیرا چوری
ذی الحجہ ۱۳۵۶ھ

تہیہ

اللہ تعالیٰ نے نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جس ملک اور جس قوم میں پیدا کیا اس میں صرف چند شخص تھے جنہوں نے اپنے تجارتی کاروبار کی ضرورت سے لکھنا سیکھ لیا تھا۔ وہ نہ بالعموم وہ "ایتین" یعنی ناخواندہ لوگ تھے چنانچہ اسی نعت سے اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب فرمایا۔

هُوَ الَّذِي بَعَثَ فِي الْأُمِّيِّينَ رَسُولًا
مِّنْهُمْ ۖ

وہی (اللہ) ہے جس نے ان پڑھوں میں انہیں میں سے ایک رسول بھیجا۔

عربی خط اور عربی خط کے موجد اہل یمن ہیں جن کے یہاں جمیری

سلطنت قائم تھی۔ حیرہ میں جب اہل مندر کی حکومت قائم ہوئی تو یہاں کے لوگوں نے بھی اہل یمن سے کتابت سکیمی۔ یعنی خط کو خط سند کہتے تھے وہی حیرہ میں خط حیرہ کے نام سے مشہور ہوا۔ حضرت عمرؓ نے حیرہ کے متصل عراق کے صدر مقام کوفہ کو جب آباؤ کیا تو خط حیرہ نے خط کوفی کا لقب پایا۔

حجاز میں سب سے پہلے عرب بن اُمیہ نے اپنے ایک رشتہ دار سے جو بادشاہ حیرہ کے مبار میں رہتا تھا کتابت اخذ کی۔ اُن کے بعد چند دیگر قبائل نے جن میں ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا عبدالمطلب بھی تھے اس کو سیکھ لیا۔

لیکن یہ لوگ صرف اس قدر لکھنا پڑھنا جانتے تھے کہ اپنی تجارت و کاروبار کا ضروری حساب و کتاب لکھ سکیں۔ نہ کوئی باقاعدہ اس کی تعلیم تھی نہ حقوق تھا۔ فاعروں کے قصیدے۔ کاہنون کے قصے اور اہم واقعات زبانی یاد رکھے جاتے تھے خصوصیت کے ساتھ اگر کوئی قصیدہ ملک میں لاجواب تسلیم کر لیا جاتا تھا تو اس کو لکھ کر خانہ کعبہ میں لٹکا دیتے تھے۔ لیکن اس سے صرف اس کا اعزاز و نظر ہوتا تھا نہ اس کی اشاعت۔

اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ میں سے بعض بعض صبر پارہیب خاص خاص حصے آسمانی کتابوں کے مذہبی غرض سے اپنے پاس رکھتے تھے۔ لیکن یہ کتابیں اس وقت تک عبرانی زبان میں تھیں۔ ان کے کسی جزو کا عربی میں ترجمہ نہیں ہوا تھا۔ اور نہ ترجمہ کا خیال پیدا ہوا تھا۔ کیونکہ سامان کتابت کی

دشواری کی وجہ سے اگر وہ اصل کتاب ہی کا کوئی جزو لکھ لیتے تھے تو قیمت سمجھتے تھے۔ ترجمہ کرنا تو ایک نہایت مشکل کام تھا۔

الغرض نزول قرآن تک عربی زبان میں کوئی کتاب نہیں لکھی گئی تھی نہ حجاز میں کوئی کتب خانہ یا مدرسہ تھا جس میں کسی قسم کی مکتوبی یا زبانی تعلیم دی جاتی ہو۔ اور نہ کوئی تعلیم یافتہ شخص تھا۔

نبی اُمّی

آنحضرتؐ بھی اُمّی اور علم ظاہر سے نا آشنا تھے اور پڑھنا لکھنا نہیں جانتے تھے اور نہ نبوت سے پہلے کوئی مذہبی یا آسمانی کتاب آپ نے پڑھی یا سنی تھی بلکہ کبھی کسی عیسائی یا یہودی عالم کی صحبت میں بھی بیٹھنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ یہ جو روایت بیان کی جاتی ہے کہ سفر شام میں کسی منزل پر ایک راہب جس کا نام بحیر تھا آنحضرتؐ کے سامنے آیا تھا۔ اور ملیہ مبارک دیکھ کر آپ کی نبوت کی خبر دی تھی اور اتنا تو صحیح نہیں ہے۔ اور اگر بالفرض صحیح مان بھی لی جائے تو یہ ایک روم کا واقعہ تھا جو نو عمری میں سفر میں پیش آیا۔ اس سے بعض تعصب عیسائیوں کا یہ کہنا کہ بحیر نے آپ کو آسمانی کتب کی تعلیم دیدی تھی نہایت نامستول افترا ہے کیا یہ ممکن ہے کہ جن کتابوں کو عیسائی خود ساہا سال میں ختم کرتے ہیں ان کی تعلیم دو ہی چار لمحوں میں ہو جائے۔ تعلیم کی دشواریوں سے اور اس میں جو زمانہ لگتا ہے اس سے تو ہر شخص واقف ہے۔

آنحضرتؐ کا اُمّی ہونا اور کسی انسانی کتاب کی تعلیم نہ پانا ایک ایسی یقینی بات ہے کہ جس کو نہ صرف مسلمان بلکہ مخالفین اسلام بھی مانتے ہیں۔ لیکن کارلائل ڈیون پورٹہ اور باسورا سمیت سب نے تصریح کے ساتھ لکھا ہے کہ پیغمبر عرب اُمّی تھے۔ راڈویل جس نے قرآن کا بہ ترتیب نزولی ترجمہ کیا ہے لکھتا ہے۔ ہمارے پاس اس امر کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ ہماری کتب مقدسہ کبھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو دستیاب ہوئی ہوں۔ پھر آگے چل کر کہتا ہے۔

یہ بات بھی یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ہم کو کوئی پتا اس بات کا نہیں لگتا کہ کوئی ترجمہ ہمدتین یا جدیدہ کا محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے پہلے ہوا ہو۔

ریورنڈ جان فنڈر جو بڑا متعصب پادری ہے اس نے بھی لکھا ہے۔ پیغمبر عرب توریت و انجیل نہیں پڑھے تھے۔

خود قرآن کی حالت پر اگر غور کیا جائے تو بہت آسانی سے یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ وہ کسی انسانی تعلیم کا نتیجہ نہیں ہے۔ بلکہ وحی الہی ہے۔ کیونکہ وہ حسب موقع اور حسب ضرورت تیس سال تک ٹکڑے ٹکڑے نازل ہوتا رہا۔ جس وقت کوئی واقعہ یا سوال پیش آجاتا تھا اس وقت اس کے متعلق آیتیں اترتی تھیں ایسی حالت میں یہ کیونکر خیال کیا جاسکتا ہے کہ ان تمام پیش آنے والے واقعات اور سوالوں کے جوابات پہلے سے کسی نے پیغمبر

کو سکھلا دئے تھے۔ نبی ہونے سے پیشتر آنحضرت کو اس بات کا وہم بھی نہ تھا کہ ان کو نبوت یا کتاب عطا فرمائی جائے گی۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وَمَا كُنْتَ تَرْجُو أَنْ يُلْقَىٰ إِلَيْكَ الْكِتَابُ
إِلَّا رَحْمَةً مِن رَّبِّكَ ۚ ۲۸

رب نے اپنی رحمت سے قرآن نازل کیا۔

علاوہ بریں قرآن نے موسوی اور عیسوی بلکہ تمام سابقہ خدایتوں کو منسوخ کر دیا اور اس کی تعلیمات کتب مقدسہ اور دیگر مذاہب کی کتابوں سے بدرجہا پاکیزہ۔ مکمل اور انسانی ضروریات کو پورا کرنے والی ہیں۔ پھر ایسی صورت میں جبکہ اس کے مقابلہ میں نہ صرف انسانی تعلیمات بے حقیقت ہو گئیں بلکہ خود آسمانی کتب پر بھی اس نے خط نسخ پھیر دیا اس کو کسی انسانی تعلیم کا نتیجہ کہنا بالکل عقل کے خلاف ہے۔ یقیناً قرآن وحی الہی ہے۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی کتاب نہیں پڑھی تھی اور آتی تھی۔

گو پڑھا لکھا ہونا منصب نبوت کے خلاف نہیں ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کے حالات دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ پڑھے لکھے تھے لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جو کہ ستر نبوت کی تفصیلی شرح اور علوم باطنی کے سب سے بڑے راز داں تھے اللہ تعالیٰ نے اپنی تعلیم کے سوا کسی غیر کی تعلیم کا منت کش بنا تا گوارا نہ فرمایا۔ چنانچہ گزشتہ آسمانی کتب میں بھی آئی کے نقب کے ساتھ آپ کی بشارتیں دی ہیں۔

الَّذِينَ يَتَّبِعُونَ الرَّسُولَ النَّبِيَّ
 الَّذِي آتَىٰ بِالْحَقِّ وَهُدًى
 وَنُورًا مَّا كَانُوا يَكْفُرُونَ
 وَمَنْ يَعْصِ الرَّسُولَ
 فَقَدْ حَقَّ عَلَيْهِ الْإِيمَانُ
 وَمَنْ يَعْصِ الرَّسُولَ
 فَقَدْ حَقَّ عَلَيْهِ الْإِيمَانُ
 وَمَنْ يَعْصِ الرَّسُولَ
 فَقَدْ حَقَّ عَلَيْهِ الْإِيمَانُ

شعر

نگار با کہ بہ کتب زلفت و خط نوشت
 بہ غمزہ مسئلہ آموز معد مدرس شد

المتراّن

اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی ہدایت اور اصلاح کے لئے ہمیشہ انہیں میں سے اپنے خاص خاص برگزیدہ بندوں کو منتخب فرمایا۔ اور ان کو غیب سے بذریعہ وحی کے تعلیم دی۔ یہی بندگان خاص نبی یا رسول کہے جاتے ہیں۔ ان میں سے کسی کسی پر آسمانی کتابیں بھی نازل ہوئیں۔ مثلاً توریت۔ زبور۔ اور انجیل وغیرہ سب سے آخری آسمانی کتاب قرآن ہے جو نبی عربی محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

وحی

نفت میں معنی طور پر سرعت کے ساتھ کسی امر کے بتلا دینے کو وحی کہتے ہیں۔ سرعت کا مفہوم یہ ہے کہ جو بات ذہن میں آئے وہ ترتیب مقدمات کا نتیجہ نہ ہو۔ بلکہ ایک دم غیب سے اس کا علم ہو گیا ہو۔

مصطلح فروع میں وحی ان علوم الہیہ کا نام ہے جو طابرا اعلیٰ سے نبی کے دل پر اتار کئے جاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ انبیاء کو غیب کی جس طریق پر تعلیم دیتا ہے اس کی حقیقت بیان کرنے سے تمام علمی عباراتیں قاصر ہیں۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ شریعت میں جن الفاظ اور عبارات میں اس کا بیان ہے انہیں سے تمہاس کر کے اس کا ایک تصور ذہن میں قائم کیا جائے۔

اس تعلیم نبی کے چار طریقے بتائے گئے ہیں۔

(۱) روئے صادق یعنی نیند میں سچے خواب نظر آتے ہیں۔ اس قسم کے خوابوں کا ذکر قدیم آسمانی کتابوں نیز قرآن میں بھی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے خواب ہی میں دیکھا تھا کہ وہ اسماعیلؑ کو ذبح کر رہے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ انبیاء کے خواب برحق ہوتے ہیں۔ ہماری صورت آنکھیں سوتی ہیں۔ دل بیدار رہتا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی نبوت سے چھ مہینے پہلے سے سچے خواب نظر آتے تھے سات کو نیند میں جو کچھ دیکھتے تھے صبح کو اس کا ظہور روز روشن کی طرح ہو جاتا تھا۔

لیکن روئے صادق صرف نبی کی ہدایت کے لئے ہے۔ اس کے ذریعہ سے اصول شریعت کی تلقین نہیں ہوتی۔ جس طرح طلوع آفتاب سے پہلے صبح صادق نمایاں ہوتی ہے، اسی طرح نور نبوت کے ظہور سے پیشتر سچے خواب نظر آنے لگتے ہیں۔ حدیث میں ہے کہ روئے صادق صرف نبوت کا چھالیسواں جزو ہے۔ اس تناسب کی لطافت دیکھئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو چھ مہینے تک روئے صادق نظر آتے رہے۔ اور ۲۳ سال تک آپ کی نبوت کا زمانہ رہا۔

(۲) اللہ تعالیٰ بلا کسی توسط کے دل میں ایک بات ڈال دیتا ہے۔ اس کو وحی یا القار کہتے ہیں۔

(۳) نبی کو اللہ کا کلام سنائی دیتا ہے۔ جس طرح کہ حضرت موسیٰؑ نے طود

پر ندامت سنی تھی۔

(۴) اللہ تعالیٰ فرشتہ کو بھیجتا ہے وہ نبی کو اس کے امادوں اور حکموں سے مطلع کرتا ہے۔

قرآن میں اس فرشتہ کو روح الامین۔ روح القدس اور جبریل کہا گیا ہے۔ آخری تینوں قسموں کا بیان اس آیت میں ہے۔

مَا كَانَ لِبَشَرٍ أَنْ يُكَلِّمَهُ اللَّهُ إِلَّا
وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ
رُسُلًا فَيُوحِي بِمَا يَشَاءُ ۗ إِنَّهُ
اللَّهُ كَسَى شَخْصًا مِنْ كَلَامٍ نَهَى كَرَامًا كَرِيمًا
وَحْيًا أَوْ مِنْ وَرَاءِ حِجَابٍ أَوْ يُرْسِلَ
رُسُلًا فَيُوحِي بِمَا يَشَاءُ ۗ إِنَّهُ

روح کے یا پردے کے پیچھے سے یا اپنا
تو اللہ فرشتہ بھیجتا ہے وہ اللہ کے حکم
سے اس کے حسب نساوحی کر دیتا ہے۔

حدیث میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ جس وقت وحی آتی ہے آپ کے اوپر کیا کیفیت گزرتی ہے۔ فرمایا کہ پہلے جس کی سی ایک آواز سنائی دیتی ہے۔ اس کو سنتے ہی میں ہمہ تن متوجہ اور خاموش ہو کر بیٹھ جاتا ہوں۔ پھر وحی کو سنتا ہوں اور یاد کر لیتا ہوں۔ اس حالت میں بعض دفعہ مجھ پر ایسی شدت کی تکلیف گذرتی ہے کہ خیال ہوتا ہے کہ میری روح قبض کی جا رہی ہے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی تھی تو آنحضرت کا چہرہ متغیر ہو جاتا تھا۔ اور سر جھکا لیتے تھے۔ جاڑے کے دنوں میں کچھ پسینہ آ جاتا تھا۔ اور اس کے قطرے پیشانی پر سے ہوتی کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔

الہام
 تعلیم غیبی کا ایک طریقہ الہام بھی ہے۔ لیکن یہ ظاہر اسفل سے ہوتا ہے۔ اس کے ذریعہ سے تشریحی ماصول کی تعلیم نہیں ہوتی بلکہ تکوینی امور بتائے جاتے ہیں۔
 فَأَلْهَمَهَا فُجُورَهَا وَتَقْوَاهَا ۗ ﴿۲۸﴾ اس کی وہی اور تکی اس کے دل میں ڈال دی۔
 قرآن میں بعض جگہ اس قسم کے الہام کو بھی وحی کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔
 وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ أُمِّ مَرْيَمَ أَنْ أَسْرِ بِعَبْدِکَ ۖ ۗ ﴿۲۹﴾ ہم نے موسیٰ کی والدہ کو وحی بھیجی کہ اس کو
 ۲۸ دودھ پلا۔

یہ ظاہر ہے کہ یہ وحی تشریحی نہیں ہے اس کو صرف اس لئے وحی کہا ہے کہ اس کا الفاغیب سے ہوا اسی طرح الہام جلی کے لئے بھی قرآن میں وحی کا لفظ مستعمل ہوا ہے۔

وَأَوْسَىٰ نَبَّکَ ۖ ۗ ﴿۳۰﴾ اور تیرے نبی شہد کی کمی کی طرف وحی بھیجی۔
 روح القدس

قرآن یہ بتلاتا ہے کہ اس کا نزول تھامتر اس وحی کے ذریعہ سے ہوا جس کو فرشتہ لا کر نبی کے دل پر اتھا کرتا ہے۔ سورہ شعراء میں ہے۔

فَإِنَّکَ لَتَنزِیلٌ مِّنَ الْعُلَیِّنِ ۗ نَزَّلَ ۖ ﴿۳۱﴾ اور بیشک اس قرآن کو پروردگار عالم نے
 بِهِ الرُّوحُ الْأَمِیْنُ ۗ عَلَیٰ قَلْبِکَ ۗ ﴿۳۲﴾ تمہل کیا ہے۔ اور اس کو روح الامین نے
 لَتَكُونَنَّ مِنَ الْمُنذِرِیْنَ ۗ ﴿۳۳﴾ تیرے دل پر اتھا ہے تاکہ تو اس سے لوگوں کی ڈرا

دوسری آیت ہے۔

اِنَّهُ لَقَوْلُ رَسُولٍ كَرِيْمٍ ذِي قُوَّةٍ
 عِنْدَ ذِي الْعَرْشِ مَكِيْنٍ مُّطَاعٍ
 شَمَّ اَمِيْنٍ ۱۶-۲۰-۲۱

بے شک یہ قرآن ایک قوی اور بزرگ
 پیغام لانے والے کا قول ہے جو مالک عرش
 کے نزدیک عزت رکھتا ہے۔ سب کا مانا
 ہوا اور امانت دار ہے۔

سورہ نمل میں ہے۔

قُلْ نَزَّلَهُ رُوْحُ الْقُدُسِ مِنْ رَبِّكَ
 بِالْحَقِّ ۝۱۶

کہدے کہ روح القدس نے قرآن کو
 تیرے سب کی طرف سے ٹھیک ٹھیک اتارا ہے

سورہ بقرہ میں ہے۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِجِبْرِيلَ فَاِنَّهُ
 نَزَّلَهُ عَلٰی قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۝۲۱

کہدے کہ جو جبریل کا دشمن ہے (وہ کافر ہی)
 اس نے اللہ کو حکم سے قرآن کو تیری دل پر اتارا ہے

ان تمام آیات سے یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن کو اللہ کے حکم کے مطابق جبریل
 امین نے لا کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل پر اتارا کیا۔

قرآن و حدیث

ابتدائے آفرینش سے نبی نوع انسان کے لئے دین الہی صرف اسلام ہے
اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ تَف
فَمَا اخْتَلَفَ الَّذِينَ أُولَئِكَ إِلَّا
مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَهُمُ الْعِلْمُ بِنُفْيَا
بَيْنَهُمْ ۚ

حقیقت یہ ہے کہ دین اللہ کے نزدیک اسلام
ہی ہے اور اہل کتاب نے جان لینے کے بعد
مفسد آپس کی ضد کی وجہ سے اختلاف
ڈال رکھا ہے۔

اسی دین اسلام کو ایک جگہ ملت براہیمی بھی فرمایا ہے۔
مِلَّةَ أَبِيكُمْ إِبْرَاهِيمَ ۗ هُوَ سَمَّاكُمُ
الْمُسْلِمِينَ مِنْ قَبْلُ وَفِي هَذَا يَف
دوسری جگہ ارشاد کیا ہے۔

تہا سے باپ ابراہیم کا دین ہے۔ اللہ نے
پہلی کتابوں میں تہا نام مسلمان رکھا اور اس میں بھی

وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا
فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ ۚ

جو کوئی اسلام کے سوا کسی اور دین کو اختیار
کرے گا تو وہ اس کو ہرگز قبول نہ کیا جائے گا۔

الغرض یہی دین اسلام ہے جس کی تعلیم کے لئے انبیاء سابقین بھیجے گئے۔
اور اسی کی تکمیل قرآن آنا کر نبی آخر الزماں صلی اللہ علیہ وسلم پر کر دی گئی۔ اور اس
کا اعلان بھی نزول قرآن کے خاتمہ پر کیا گیا۔

الْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتِمَمْتُ
آج میں نے تہا نام دین تہا سے لئے مکمل

عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيَتْ لَكُمْ الْإِسْلَامَ كَرِيماً. اور تمہارے اوپر اپنی نعمت پوری
 کر چکا۔ اور دین اسلام کو میں تمہارے لئے پسند کیا

اہتمام تنزیل

چونکہ قرآن دین الہی یعنی اسلام کا آخری اور مکمل مجموعہ ہے اس لئے اس
 کی تنزیل میں اللہ تعالیٰ نے خاص اہتمام فرمایا۔ اس کو اس رسول پر اتارا جو تمام
 رسولوں سے افضل تھا اور جمہ اپنی قوم میں رسالت کے قبل سے امین کے لقب
 سے ممتاز تھا۔ اور اتارنے کے لئے اس فرشتہ کو منتخب فرمایا جو ملائکہ میں امین تھا
 پھر اس کے نزول کے زمانہ میں شہاب ثاقب سے جنات اور شیاطین کو راستوں
 کو روک دیا کہ وہ اس میں کوئی آمیزش نہ کر سکیں۔ اور اتارنے کے بعد اس کی
 حفاظت خود اپنے ذمہ لی اور فرمایا۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ ﴿۱۰۱﴾
 اسی مبارک کتاب کو اسلام کا نصاب مقرر فرمایا اور حکم دیا۔

وَهَذَا كِتَابٌ أَنْزَلْنَاهُ مُبَارَكٌ فَاتَّبِعُوهُ ۝۱۰۱ اور یہ کتاب جس کو ہم نے اتارا ہے مبارک
 ہے تم اس کی پیروی کرو

اس کتاب کی عظمت اور برکت کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس بات
 میں اس کا آغاز نزول ہوا یعنی شب قدر اس کو پیشہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے
 ہزار مہینوں سے افضل کر دیا۔ اور جس مہینہ میں اس کو اتارا اس کو روزہ کا مبارک
 مہینہ قرار دیا۔ اور اس میں اعمال کے درجات و فضائل میں سید امتیاز فرما کر اس کی

رحمت اور مغفرت کا ہمینہ بنا دیا۔

الغرض یہ کتاب نہایت عظیم الشان باسمانی رحمت ہے جس کا اندازہ اس وقت تک انسان نہیں کر سکتا جب تک کہ اس پر عمل نہ کرے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کی عظمت کے بارے میں فرمایا ہے۔

كُوِّنَ لَنَا هَذَا الْقُرْآنَ عَلَى جَبَلٍ
لَتَرَأَيْتَنَّهُ خَاشِعًا مُتَصَدِّدًا مَا مِنْ
خَشْيَةِ اللَّهِ ۝۵۱

اگر ہم اس قرآن کو کسی پہاڑ پر اتار دیتے تو
دیکھتا کہ وہ اللہ کے ڈر سے لرزنا ٹھٹھا
اور بچٹ جاتا۔

حقیقت حدیث

لیکن کتاب کے لئے معلم کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لئے جس طرح قرآن کی تبلیغ کا فرض نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ تھا۔ اسی طرح اس کی تعلیم بھی آپ ہی کے ذمہ تھی۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے اس کتاب کو شروع سے آخر تک لوگوں کو سنایا۔ لکھا دیا۔ یاد کرادیا۔ اچھی طرح سمجھا دیا۔ اور خود اس کے جملہ احکام پر عمل کر کے دکھلا دیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ حقیقت میں قرآن کی عملی اور قولی تفسیر تھی۔ آپ کے انھیں اقوال یا اعمال کے بیان کو حدیث کہتے ہیں۔ یہ حدیث کا سرمایہ امت میں بسلسلہ روایت منقول ہوتا چلا آیا۔ اور ہجرت نبوی کے تقریباً ایک صدی کے بعد کتابوں میں مدون ہونا شروع ہوا۔

قرآن و حدیث میں فرق

اب قرآن اور حدیث میں جو فرق ہے وہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے۔

(۱) قرآن کلام الہی ہے۔ اور حدیث رسول اللہ کے قول یا عمل کے بیان کو کہتے ہیں۔

(۲) قرآن کا سرچشمہ لوح محفوظ ہے۔ اور حدیثیں جیسا کہ امام شافعی وغیرہ کا قول ہے پیغمبر نے خود قرآن سے مستنبط فرمائی ہیں۔

(۳) قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہایت حفاظت کے ساتھ لکھوایا اور لوگوں کو یاد کرایا اور حدیثوں کو نہ لکھوایا نہ یاد کرایا۔ بلکہ عام حکم آپ کا یہ تھا لا تکتبوا عنی من حدیث القرآن، مجھ سے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو۔

(۴) قرآن بعینہ انھیں الفاظ میں ہے جن میں وہ عرش سے نازل ہوا اور جن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو سنایا۔ اور حدیث کا زیادہ تر حصہ بالمعنی روایع کیا گیا ہے۔ یعنی ماویوں نے اپنے الفاظ میں مضمون کو ادا کیا ہے۔

(۵) قرآن کی حفاظت اللہ تعالیٰ نے اپنے ذمہ لی ہے۔ اور حدیث کی حفاظت ماویانِ مدیث کے ذمہ ہے۔

(۶) قرآن کے لفظ لفظ کا ثبوت نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک قطعی اور یقینی ہے۔ لیکن حدیثیں بجز ان روایتوں کے جو متواتر تسلیم کی گئی ہیں بالفاق حدیثین قطعی سے آگے نہیں بڑھتیں۔

(۷) قرآن میں ایک حرف بلکہ ایک نقطہ بھی نہ کوئی بڑھا سکتا ہے نہ گھٹا سکتا ہے بخلاف اس کے ہزاروں جھوٹی اور غلط روایتیں لوگوں نے طرکِ حدیثوں میں شامل کر دیں۔ جن کی وجہ سے آئمہ حدیث کو علم الاسناد اور فن

رجال سدون کرنا پڑا۔ اور بڑی دقت پیش آئی۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی باتوں میں دونوں میں فرق ہے۔ مثلاً قرآن کی تلاوت کا حکم ہے اور حدیث کی تلاوت کا کوئی حکم نہیں ہے۔ قرآن نماز میں پڑھا جاتا ہے لیکن اس کے بجائے حدیث پڑھنے سے نماز نہیں صحیح کی قرآن معجزہ ہے اور حدیث معجزہ نہیں ہے۔

قرآن مجید کے ان تمام مقیانات کو دیکھنے اور یہ سمجھ لینے کے بعد کہ وہ دین اسلام اور تعلیم الہی کا ایک مکمل اور بے شائبہ مجموعہ ہے امت کے ان فرقوں پر تعجب آتا ہے جو حدیث کے مرتبہ کو قرآن کے برابر رکھتے ہیں۔ خاص کر ان لوگوں پر اور حیرت ہوتی ہے جو تعارض کی صورت میں کبھی کبھی حدیثوں کو قرآن کا نسخ قرار دیتے ہیں۔

اصل دین قرآن ہے

حقیقت یہ ہے کہ اصل دین اسلام صرف قرآن ہے۔ وہ معین الفاظ میں حفاظت کے ساتھ اللہ کے پاس اتر ہے اس میں خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی مطلق تصرف کا اختیار نہ تھا۔ لیکن اس کو سکھانے اور سمجھانے اور اس کے احکام کو نافذ و رائج کرنے میں بیایات اور احکام کی ضرورت تھی جو حسب موقع اور حسب ضرورت پیغمبر نے دئے۔ ان بیایات اور احکام سے جو کام لیا جاسکتا ہے وہ صرف قرآن کی تشریح اور تفسیر ہے نہ کہ نسخ اور ترمیم۔

نزولِ قرآن

قرآن کی حقیقت میں بعض باریک بین لوگوں نے اختلاف کیا ہے۔ ایک گروہ کہتا ہے قرآن کلامِ نفسی ہے یعنی صرف معانی کا نام ہے الفاظ اس میں داخل نہیں ہیں۔ دوسرا گروہ الفاظ اور معانی کے مجموعہ کو قرآن کہتا ہے۔

مسئلہ خلقِ قرآن

اس اختلاف کی بنیاد یہ ہے کہ خلافتِ عباسیہ میں جب مسلمانوں میں فلسفہ پھیلا تو یہ ناگوار بحثِ قرآن کے متعلق چھڑ گئی کہ وہ مخلوق ہے یا غیر مخلوق۔ معتزلہ کا قول تھا کہ مخلوق ہے۔ اور اہل سنت اس کو قدیم اور غیر مخلوق کہتے تھے۔ مگر چونکہ اس کے الفاظ پر اعتراض وارد ہوتا ہے کہ وہ ہماری زبان سے نکلتے ہیں اس لئے مادِ غیبی ہیں لہذا بعض لوگوں نے یہ تاویل کی کہ قرآن صرف معانی کا نام ہے۔ الفاظ اس میں داخل نہیں ہیں۔

مامون عباسی کے زمانہ میں یہ چہرہ زیادہ پھیلا اور بہت سے ائمہ اہل سنت جو قرآن کو غیر مخلوق کہتے تھے قید کئے گئے اور کوڑوں سے پٹوائے گئے خاص کر امام احمد بن حنبلؒ۔ اس سخت گیری کی وجہ سے تعصب اور بڑھ گیا۔ اور بعض حنبلیوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ قرآن معنی کا غذا اور دفتیوں کے غیر مخلوق ہے اور بہت سی حدیثیں اس قسم کی روایت کیں جن سے یہ ثابت ہو کہ قرآن معنی الفاظ کے لوح محفوظ میں تھا۔

طبرانی نے اس قسم کی ایک عجیب و غریب روایت لکھی ہے کہ جو قرآن لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے اس کا ہر حرف مثل کوہ قاف کے ہے۔ اور اس کے ذیل میں اس قدر اتہاس معانی ہیں جن کو اللہ تعالیٰ کے پاس کوئی نہیں جانتا۔

معنی تنزیل

اسی اختلاف کی وجہ سے تنزیل کے معنی میں بھی اختلاف پڑ گیا۔ جو لوگ صرف معانی کو قرآن کہتے ہیں ان کے نزدیک تنزیل ایسے حروف اور کلمات کے اظہار کا نام ہے جو ان معانی پر دلالت کریں۔ اور جو لوگ الفاظ اور معانی دونوں کو قرآن میں شامل سمجھتے ہیں ان کے نزدیک تنزیل کے یہ معنی ہیں کہ وہ الفاظ لوح محفوظ سے نقل ہو کر نبی کی زبان سے سنائے جائیں۔

شاہ ولی اللہ صاحب اوسی اس سچیدہ بحث کا اس طرح فیصلہ کرتے ہیں۔

اگر کوئی کہے کہ گلستاں شیخ سعدی کی کتاب ہے۔ پانچ سو سال اس کو تصنیف کئے ہوئے ہو گئے وہ معنوں میں لکھی ہوئی ہے۔ زبانوں سے پڑھی جاتی ہے۔ ذہنوں میں اس کے معانی محفوظ ہیں تو یہ سب درست ہے۔ کیونکہ ان تمام باتوں کا حقیقی مصداق موجود ہے۔ شیخ سعدی اس کے مصنف ہیں اس لحاظ سے کہ اس کے الفاظ اور معانی کی ترتیب انھیں کی قوت عقل سے حاصل ہوئی ہے۔ معنوں میں خط کی صورت میں وہی الفاظ لکھے ہوئے ہیں۔ آواز کی شکل

میں وہی زبانوں سے نکلنے ہیں۔ اور ذہنوں میں ان کے معانی آتے ہیں۔ اسی طرح قرآن کے معانی اور الفاظ کی ترتیب اللہ کی طرف سے ہے۔ معاصرت میں خط کی صورت میں وہ لکھا ہوا ہے۔ زبانوں سے آواز کی شکل میں اس کے الفاظ آدا ہوتے ہیں۔ ذہنوں میں اس کے معانی آتے ہیں۔ اس پر یہ بات بھی اضافہ کرو کہ وہ قدیم ہے کیونکہ لوح محفوظ میں ازل سے اس کی ایک صورت موجود تھی۔

شاہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جمہور کا جو عقیدہ ہے کہ قرآن قدیم اور غیر مخلوق ہے اور الفاظ اور معانی دونوں کو شامل ہے یہ نہایت سلجھا ہوا اور صحیح عقیدہ ہے۔ اور اس کے سمجھنے میں بھی وقت نہیں کیونکہ عرف عام کے مطابق ہے۔

ابتدائے نزول

آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تنہائی سے انسیت تھی۔ اور نبوت سحر پیشتر فارحرا میں جو مکہ سے چند میل پر ہے عبادت کے لئے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ جب سے رویائے صادقہ نظر آئے لگے اس وقت سے اور بھی اس حال میں اضافہ ہو گیا کئی کئی راتیں وہیں گزار دیتے تھے۔ اور اپنے ہمراہ تو شہ لے جاتے تھے۔ جب وہ ختم ہو جاتا تھا تو حضرت خدیجہ کے پاس آتے تھے اور پھر تو شہ لے جاتے تھے یہاں تک کہ ایک بار حسب معمول اسی فارحرا میں عبادت میں مصروف تھے کہ فرشتہ وحی لے کر آیا اور کہا کہ پڑھ۔ آپ نے

جہاں دیا کہ میں پڑھنا نہیں جانتا۔ اُس نے پکڑا کر اپنے سینے سے لگا کر اس قدر زور سے دبا یا کہ آپ بے حال ہو گئے۔ پھر چھوڑ دیا اور کہا کہ بڑھ۔ آپ نے پھر وہی جہاں دیا۔ تین یا اسی طرح ہوا۔ سو اُس نے کہا کہ

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۗ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۗ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۗ

اس غیر متوقع اور عجیب و غریب حالت پیش آنے کی وجہ سے آپ خوفزدہ ہو گئے وہاں سے لرزتے ہوئے گمراہے اور حضرت خدیجہؓ سے فرمایا کہ مجھے چادر اڑھا دو۔

جب خوف جاتا رہا۔ اور طبیعت کو سکون ہوا تو خدیجہؓ سے اس کیفیت کا اظہار کیا۔ انہوں نے آپ کو تسلی دلائی اور کہا کہ آپ نیکی کرتے ہیں۔ صدقہ دیتے ہیں۔ مسکینوں کو کھانا کھلاتے ہیں۔ جہاں نوازی کرتے ہیں اور لوگوں کا بوجھ برداشت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ آپ کو صنائع نہیں کرے گا۔ اس کے بعد وہ اپنے چچا زاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس گئیں جو میمانی ہو گئے تھے اور آسمانی کتابیں پڑھا کرتے تھے۔ ان سے یہ سارا ماجرا بیان کیا۔ ورقہ نے کہا کہ یہ فرشتہ جس کو محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیکھا ہے ناموس اکبر ہے۔ یہی حضرت موسیٰ کے پاس آیا کرتا تھا۔ یہ یقیناً اس قوم کے نبی ہوں گے۔ ان سے کہہ دو کہ ثابت قدم رہیں۔ ان کی قوم ان کو جھٹلائیگی اذیت دیگی اور یہاں سے نکالے گی۔ اگر میں اس وقت تک زندہ رہا تو

ضروران کی مدد کروں گا۔

تاریخ نزول

آغاز نزول قرآن شب قدر میں ہوا۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ ۚ ۹۶ ہم نے اس کو اتنا شب قدر میں۔

اور حسین ہجرت میں اس کا نزول ہوا وہ رمضان ہے۔

شَهْرَهُمْ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ ۚ رمضان کا مہینہ جس میں کہ قرآن اتلا

۱۸۱ گیا ہے۔

یعنی آغاز نزول ہوا۔ کیونکہ اس کے بعد پھر نزول قرآن کے لئے کسی مہینہ اور دن کی تخصیص نہ تھی۔

شب قدر جمہور اہل اسلام کے نزدیک رمضان المبارک کے عشرہ اخیرہ میں کوئی طاق رات سمجھی جاتی ہے۔ بعض مورخین آغاز نزول قرآن کی تاریخ ۲۵ رمضان قرار دیتے ہیں۔ اس تاریخ کو قمری حساب سے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر چالیس سال چھ ماہ اور سولہ روز کی ہوگی۔ اور شمسی حساب سے ۳۹ برس تین مہینے سولہ دن کی۔ یہ تاریخ مطابق ہوگی ۶ اگست ۶۱۰ء کے۔

اس کے بعد کچھ زمانہ تک وحی نہیں نازل ہوئی۔ پھر سورہ المائدہ نازل ہوئی۔ اس وقت سے ٹکڑے ٹکڑے حسب موقع اور حسب ضرورت تیس سال تک یعنی جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں رہے قرآن نازل ہوتا رہا۔ اس کے نزول کی کوئی جگہ یا کوئی ساعت یا کوئی مقدار معین نہ تھی۔

تفریق نزول

قرآن کے ایک ہی بار نہ نازل کرنے میں اللہ تعالیٰ کی ایک عجیب غریب حکمت غفی تھی۔ وہ یہ کہ جب ایک چیز تھوڑی تھوڑی بتدریج ملتی ہے تو طبیعتیں آسانی سے قبول کرتی چلی جاتی ہیں۔ چنانچہ قرآن ایک ایک دو دو آیت کر کے اترتا گیا اور لوگ اس کو تسلیم کرتے گئے۔ اگر ایک ہی بار اس کا نزول ہو جاتا تو ممکن تھا کہ بعض لوگ اس سے گھبرا جاتے۔ کیونکہ اس میں بہت سے فرائض اہام اور نواہی ہیں جو یکبارگی ملنے کی صورت میں دلوں پہ بار ہو جاتے۔

حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ پہلے قرآن کی وہ سورتیں نازل ہوئیں جن میں زیادہ تر جنت اور دوزخ کا ذکر تھا جب لوگ مسلمان ہونے لگے تو پھر رفتہ رفتہ حلال اور حرام کے احکام اترتے لگے۔ اگر ایک ہی دفعہ سارے احکام نازل ہو جاتے تو ممکن تھا کہ لوگ ان کی تعمیل سے انکار کر دیتے۔

حسب موقع اور حسب ضرورت بتدریج قرآنی آیات کا اترنا انسانی تعظیم کے لحاظ سے فطرت کے عین مطابق تھا۔ چنانچہ قرآن کی تعریف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَقَرَأْنَا فَرَقْنَاهُ لِتَقْرَأَ عَلَى النَّاسِ ۚ
عَلَىٰ مَكَّةٍ ۖ وَنَزَّلْنَاهُ تَنْزِيلًا ۝۱۶

اور قرآن کو ہم نے رفتہ رفتہ تھوڑا تھوڑا نازل کیا کہ تو جہلت کے ساتھ پڑھ کر لوگوں کو سنائے۔

سب سے آخری آیت

نزول کے لحاظ سے قرآن کی سب سے آخری سورت برائت ہے۔

اس کے آخر کی دونوں آیتیں عرش کا آخری پیغام ہیں جن کے اترنے کے دن کے بعد نبوت کا دنیا سے خاتمہ ہو گیا۔

کفار اور مستہزین

جب قرآن کا نزول شروع ہوا تو اس کی آیتیں سن کر اہل عرب بہوت اور حیرت زدہ ہو گئے۔ ان میں سے جو سعادت مند تھے، ایمان لائے لیکن عام طور پر وہ محبت جاہلیت کی وجہ سے دشمنی اور مخالفت پر آمادہ ہوئے۔ اور بعض بعض ان میں سے شیطانی نخوت میں آکر سنی اڑانے لگے۔ قرآن کے مقابلہ میں یہ لوگ جو کافر بائند تھے یا جس جس طرح کے اعتراض کرتے تھے وہ اگرچہ نہایت لغوی ہودہ اور نامعقول ہوتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ تمام حجت کے لئے ہر ایک کا جواب قرآن میں دیتا تھا۔ بعضوں نے کہا کہ یہ شاعروں اور کاہنوں کی باتیں ہیں۔ اس کے

جواب میں فرمایا۔

وَمَا هُوَ لَقَوْلِ شَاعِرٍ قَلِيلًا مَّا
تُؤْمِنُونَ لَا وَكَأَقْوَالِ كَاهِنٍ قَلِيلًا
مَا لَذَّ كُرُؤُنَ مَا تَنْزِيلٍ مِّن رَّبِّ
الْعَالَمِينَ وَلَوْ تَقَوَّلَ عَلَيْنَا بَعْضَ
الْأَقْوَابِلِ لَآخَذْنَا مِئْنَةً بِالْيَمِينِ
ثُمَّ لَقَطَعْنَا مِنْهُ الْوَتِينَ ^{نصف} ^{۴۱ سے ۴۲} کٹ دیتے۔

دوسری جگہ فرمایا۔

وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا يَنْبَغِي لَهُ
 إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرٌ وَقُرْآنٌ مُّبِينٌ ۝۳۶

ہم نے پیغمبر کو شاعری نہیں سکھائی ہے اور
 نہ وہ اس کے لئے زیبا ہے۔ جو کلام وہ سنانا
 ہے وہ نصیحت ہے اور عام فہم قرآن ہے۔

کوئی اس کو جادو کہتا تھا اور کوئی کہتا تھا کہ نبی مجنون ہیں۔ یا ان کے اوپر
 جن آتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جواب دیا۔

وَمَا صَاحِبُكُمْ بِمَجْنُونٍ وَوَقَدْ نَالُوا
 بِالْأَفْقِ الْمُبِينِ وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ
 بِضَنِينٍ وَمَا هُوَ لِقَوْلِ شَيْطَانٍ
 رَجِيمٍ ۝۳۷

مرد مجنون نہیں ہے۔ بیشک اس نے جبریل کو
 آسمان کے روشن کنارے میں دیکھا ہے
 وہ غیب کی بات بیان کرنے میں نبل نہیں
 کرتا۔ اور قرآن شیطان لعین کا قول نہیں ہے،
 جادو گر کے بارے میں کہا۔

وَلَا يَفْلَحُ السَّجْرُ حَيْثُ أَتَى ۝۳۸

جادو گر جہاں جاتا ہے فلاح نہیں پاتا
 ایک عجمی غلام جو مکہ کے بازار میں بیاع تھا اور اس حضرت کی خدمت
 میں آیا کرتا تھا بعض جہلانے اس کی نسبت مشہور کیا کہ وہی ان کو قرآن سکھاتا
 ہے۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔

وَلَقَدْ نَعَلْنَا أَنَّهُمْ يَقُولُونَ إِنَّمَا يُعَلِّمُهُ
 بَشَرٌ مِّثْلُ سَانَ الْكَلْبِيِّ يُلْحِدُونَ إِلَيْهِ
 أَجْجَبِي وَهَذَا السَّانُ عَرَبِيٌّ مُّبِينٌ

ہم جانتے ہیں کہ اہل مکہ کہتے ہیں کہ ان کو
 ایک آدمی سکھاتا ہے۔ وہ جس کی طرف
 نسبت کرتے ہیں اس کی زبان تو عجمی ہو
 اور یہ فصیح عربی زبان ہے۔

سبحان اللہ۔ تمام عرب جس کے مثل ایک آیت نہ بنا سکے وہ ایک عجیبی فلام
کی سکھائی ہوئی بات کیسے ہو سکتی ہے۔ بعض کافروں نے یہ افترا باندھا۔
وَقَالُوا آسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ لَكُنْتُمْ بِهِ كَافِرِينَ
فَمَنْ يَمْلِكُ عَلَيْهِ يَكْفُرًا قَائِلًا بِمَا هُوَ قَائِلًا
اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا۔

وَمَا كُنْتُمْ تَتْلُوا مِنْ قَبْلِهِ مِنْ
كِتَابٍ وَلَا تَخْتَلِفُ عَلَيْهِ يَمِينُكَ إِذَا
لَا تَابِ الْمُبْطِلُونَ ﴿۳۴﴾
اے پیغمبر! قرآن سے پہلے نہ تم کوئی کتاب
ہی پڑھتے تھے نہ لکھنا ہی جانتے تھے ایسا
ہوتا تو یہ منکرین شک کرتے۔

یعنی اگر پیغمبر پڑھے لکھے ہوتے تو تمہارے شبہ کی گنجائش بھی ہو سکتی تھی کہ
انہوں نے کوئی کتاب پڑھ کر اس کے معنایں لکھ رکھے ہیں وہی لوگوں کو
سناتے اور لکھاتے ہیں۔ لیکن جب تم کو خود اس بات کا علم ہے کہ وہ آتی ہیں
نہ کوئی کتاب ہی پڑھی نہ لکھنا ہی جانتے اور پھر ایسی بے نظیر کتاب پیش کرتے
ہیں جس کی ایک آیت کا بھی تم مقابلہ نہیں کر سکتے تو کیوں نہیں ایمان لاتے
کہ اللہ کی آداری ہوئی ہے۔

ایک گروہ نے یہ کہا کہ قرآن اگر کلام الہی ہے تو طائف یا مکہ کے کسی سردار
صاحبِ دولت و جاہ کے اوپر کیوں نہیں نازل ہوا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا!
وَقَالُوا كَوَيْلٌ لَنَا بِهَذَا الْقُرْآنِ عَلٰی
اِن لَّوْكَوْنِ لَنَا كَوَيْلٌ لَّوْ كُنَّا نَحْنُ
عَجِبُ مِنَ الْقُرْآنِ عَظِيمٍ اَهُمْ
بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر کیوں نہ

يَقْسِمُونَ رَحْمَةَ رَبِّكَ ط ۱۱۳

نازل ہوا۔ اے محمد! کیا یہ لوگ تیرے رب
کی رحمت کے تقسیم کرنے والے ہیں۔

دوسری جماعت کہتی تھی کہ اللہ تعالیٰ ہمارے اوپر کیوں آیت نہیں اتارتا

اور ہم سے کیوں کلام نہیں کرتا۔

وَقَالَ الَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا
اللَّهُ أَوْ ياتِينَا آيَةً كَذَلِكَ قَالَ الَّذِينَ
مِنْ قَبْلِهِمْ مِثْلَ قَوْلِهِمْ تَشَابَهَتْ
قُلُوبُهُمْ ط ۱۱۴

اور جہلانے کہا کہ اللہ ہم سے کیوں کلام
نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی آیت کیوں
نہیں آتی ان سے پہلے جو گزر گئے وہ بھی
اسی طرح کہتے تھے ان سب کے دل یک طرح کہیں

یہ جماعت کہتی تھی کہ جب تک رسول اللہ کی طرح ہم پر بھی قرآن نہ نازل ہوگا
ہم ایمان نہیں لائیں گے۔

وَإِذَا جَاءَهُمْ آيَةٌ قَالُوا لَنْ نُؤْمِنَ
حَتَّى نُؤْتَىٰ مِثْلَ مَا أُوتِيَ اللَّهُ
اللَّهُ أَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهُ ط ۱۱۵

جب ان کے پاس کوئی آیت آتی ہے تو
کہتے ہیں کہ رسولوں کو جیسی نبوت دی گئی ہے
وہی ہی جب تک ہم کو نہ دی جائیگی ہم ہرگز
ایمان نہ لائیں گے۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ
کون کس کی پیغمبری کے قابل ہے۔

سورہ مدثر میں فرمایا کہ ان کی یہ باتیں اس وجہ سے ہیں کہ یہ آخرت پر

ایمان نہیں رکھتے۔

فَمَا لَهُمْ عَنِ التَّذْكَرِ لَا مُعْرِضِينَ ط

ان کو کیا ہو گیا ہے کہ قرآن سے اس طرح

منہ پھیر کر بھاگتے ہیں جیسے گدے شیر سے
گھبرا کر بھاگے ہوں بلکان میں سے ہر ایک
یہ چاہتا ہے کہ اس کو کھلے ہوئے آسمانی
میعنے دئے جائیں۔ ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا
بلکہ یہ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔

كَانْتُمْ حُرًّا مُسْتَنْفِرًا لَّا فِرَاتُ
مِنْ قَسْوَةِ مَا بَلَّ يُرِيدُ كُلُّ امْرِئٍ
مِّنْهُمْ اَنْ يُؤْتِيَ صَحْفًا مِّنْشَرًّا لَّا
عَلَيْكُمْ اَبْلُ لَّا يَخَافُونَ الْاٰخِرَةَ ط

۵۰-۴۲

بعض نادان یہ کہتے تھے

اَوْ تَرَقَىٰ فِي السَّمَاءِ مَا وَلَّيْنَا ثَمِيْنَ
لِرُقِيَّتِكَ حَتَّىٰ تَنْزِلَ عَلَيْنَا كِتٰبًا
نَقْرُوْهُ وَلَا مَقْلَ سُبْحٰنَ رَبِّيْٓ اِذَا
كُنْتُ الْاَبْسَرٰٓءَ سُوْرًا ۝۴۲

یا تو آسمان پر چڑھ جائے۔ اور تیری چڑھ
بلنے پر بھی ایمان نہ لائیں گے یہاں تک
کہ تو ہمارے پاس ایک کتاب اتار لائے
جس کو ہم پڑھیں اسے پیغمبر کہہ دے کہ
سبحان اللہ میں تو اللہ کا بھیجا ہوا ایک بشر ہے

یعنی یہ سنت الہی اور فطرت کے خلاف ہے کہ کوئی آدمی آسمان پر چڑھے
اور وہاں سے کتاب لائے۔

بعض لوگ استہزاء کہتے تھے کہ آسمان سے قرطاس پر لکھی لکھائی کتاب
آنی چاہئے اللہ تعالیٰ نے کہا۔

اگر ہم تیرے اوپر قرطاس پر لکھی ہوئی کتاب
اتار دیتے اور یہ کفار اس کو چھو بھی لیتے تو پھر
بھی یہی کہتے کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنٰ عَلَيكَ كِتٰبًا فِيْ قَرِطَابٍ
فَلَمَّسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ كَقَالَ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا اِنْ هٰذَا اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ
ط

تعجب ہے کہ اہل کتاب جو کتب آسمانی کے نزول پر ایمان رکھتے تھے وہ بھی کفار کے ساتھ اس قسم کے ہفتوات میں فخریک ہو جاتے تھے۔

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تَنْزِلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ الْكَبِيرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَقَالُوا إِنَّا لِلَّهِ جَاهِلُونَ فَآخَذْنَا مِنْهُمُ الصَّاعِقَ ۗةَ ۖ يَظْلِمُهُمْ

اہل کتاب تجھ سے سوال کرتے ہیں کہ تو کوئی کتاب ان پر آسمان سے اتار لائے ان لوگوں نے موسیٰ سے تو اس سے بھی بڑھ کر سوال کیا تھا یعنی کہا کہ ہمیں اللہ کو رو در رو دکھا دے۔ آخر ان کی سرکشی کی وجہ سے ان کو بجلی مار گئی۔

ان کو یہ بھی اعتراض تھا کہ سارا قرآن ایک ہی باریکیوں نہ اتار دیا گیا۔

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْآنُ جُمْلَةً وَاحِدَةً كَذَٰلِكَ لِنُثَبِّتَ بِهِ فُؤَادَكَ وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلًا

کفار کہتے ہیں کہ پورا قرآن ایک باریکیوں نہ نازل کر دیا گیا۔ ہاں ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔ تاکہ اس سے ہم تمہارے دل کو قوی کرتے رہیں اور ہم نے تو اس کو رفتہ رفتہ اتارا ہے

۲۵
۳۳

کیونکہ جب ضرورت کے موقع پر وحی آتی ہے تو ذہن میں زیادہ راسخ ہوتی ہے۔ اور اس کی طرف رسول کی توجہ بھی زیادہ ہوتی ہے۔ علاوہ بریں بار بار کے مخاطبہ الہی سے اس کا دل قوی رہتا ہے۔

بعض کفار اس قسم کے تھے جو قرآن کی عبادت پر شیدا تھے لیکن یہ چاہتے تھے کہ اس میں ان کے معبودوں کا ابطال نہ کیا جائے۔

قَالَ الَّذِينَ لَا يُرْجُونَ لِقَاءَنَا
 أُمْتِ الْقُرْآنِ غَيْرِ هَذَا أَوَيْدٍ لَهُ
 قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَهُ مِنْ
 تِلْقَائِي لِنَفْسِي إِنَّهُ أَتَعْمَرُ إِلَّا مَا يَكُونُ
 لِي مِنْ أَمْرِ اللَّهِ إِنْ أَخَافُ أَنْ عَصَيْتُ
 سَأَتِي عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيمٍ قُلْ لَوْ
 شَاءَ اللَّهُ مَا تَلَوْتُمْ عَلَيْهِمْ وَلَا
 أَذْرِكُمْ بِهِ زُيُودًا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ
 عُمُرًا مِمَّنْ قَبْلِهِمْ أَفَلَا تَعْقِلُونَ

۱۰
 ۱۲-۱۴

جو لوگ ہماری ملاقات کی امید نہیں رکھتے
 کہتے ہیں کہ اس کے سوا کوئی دوسرا قرآن لا۔
 یا اسی کو بدل دے۔ اسے پیغمبر تو ان سے
 کہہ دے کہ میری مجال نہیں کہ میں اپنے
 وحی سے اس کو بدل سکوں میں تو اسی
 کی پیروی کرتا ہوں جو مجھ پر وحی اترتی ہے۔
 میں اپنے رب کی نافرمانی میں قیامت
 کے عذاب سے ڈرتا ہوں۔ کہہ دے کہ اگر
 اللہ چاہتا تو میں یہ قرآن تم کو پڑھ کر نہ سنا دے۔
 اللہ اللہ اس سے تم کو آگاہ کرتا تم سوچتے
 نہیں کہ اس سے پہلے میں نے تمہارے
 اندر ایک عمر گزار دی ہے (کبھی وحی کا نام
 بھی لیا تھا)

انقرض قرآن ان کے نام مقول سے نام مقول اعتراضات کے جوابات بھی
 نرمی اور معقولیت کے ساتھ دیتا رہا تاکہ وہ راہ راست پر آجائیں۔ جب وہ بہر طرف
 سے ہار گئے تو انہوں نے یہ فریاد سوچی۔

یہ کافر باہم کہتے ہیں کہ اس قرآن کو سنو۔
 اور جب سنائے لگیں بیچ بیچ میں غل غل پڑا

وَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا وَالَّذِينَ كَفَرُوا
 هَذَا الْقُرْآنُ وَالْفَوَاقِئُ كَعَلْمِكُمْ

تَغْلِبُونَ ﴿٢١﴾
کرو اس تدبیر سے تم شاید غالب آ جاؤ
لیکن باطل کو غلبہ کہاں۔ قرآن حق تھا غالب ہو کے رہا۔
جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ إِنَّ
الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوقًا ﴿٢٢﴾
حق آ گیا اور باطل مٹ گیا۔ اور باطل تو
ٹٹنے ہی کے لئے تھا۔

اسباب نزول

قرآن کے نزول کی دو صورتیں تھیں۔ کبھی تو بلا کسی سوال یا واقعہ کے نازل ہوتا تھا۔ اور کبھی کوئی سوال یا واقعہ پیش آجاتا تھا جس پر وحی آسمانی کی ضرورت پڑتی تھی اس وقت اترتا تھا۔ یہی سوالات یا واقعات اسباب نزول کہے جاتے ہیں۔ اللہ یہ ایک اصطلاح قرار پاگئی ہے ورنہ وہ حقیقت میں نزول قرآن کے اسباب نہ تھے بلکہ موقع یا محل نزول تھے۔ اسی لئے ان کو زیادہ تر بجائے اسباب نزول کے شان نزول کہتے ہیں۔

گویا امرِ قرین اصول میں طے ہو چکا ہے کہ شان نزول کے ساتھ آیتوں کے معانی مخصوص نہیں ہوتے بلکہ ان کا عموم و خصوص ان کے الفاظ کے ساتھ ہوتا ہے اس لئے ان کا بیان غیر ضروری ہے، لیکن چونکہ ان سے دو فائدے ہوتے تھے ایک تو واقعات سے آیات کا تعلق معلوم ہو جاتا تھا۔ دوسرے ان کے علم سے آیات کے معانی زیادہ واضح طور پر سمجھ میں آتے تھے اس وجہ سے علماء اسلام نے نہایت جستجو کر کے اس علم کو مدون کر لیا۔ تفسیروں میں یہ بیان کئے جاتے ہیں، علاوہ ان کے بہت سی جداگانہ کتابیں اسی عنوان سے لکھی گئی ہیں جن میں وہ تمام سوالات اور واقعات جن کے متعلق قرآنی آیتیں نازل ہوئی ہیں، جمع کئے گئے ہیں۔

موافقات صحابہؓ۔ اسباب نزول کی ایک قسم موافقات صحابہ ہیں۔ یعنی

قرآن میں بعض آیتیں ایسی ہیں جو صحابہ کے قول یا خیال کے مطابق نازل ہوئی ہیں۔ ان میں زیادہ تر موافقاتِ عمرؓ ہیں۔ بعض لوگوں نے تو اس کو اس قدر وسعت دی ہے کہ اس پر جہاں گناہ کتاب لکھی ہے۔ لیکن خود حضرت عمرؓ کا بیان ہے کہ تین معاملہ میں قرآن میری منشا کے مطابق نازل ہوا اور میں اور میرا رب دونوں موافق ہو گئے۔

میں کہا کرتا تھا کہ کاش مقامِ ابراہیمؑ ہمارے لئے مصلیٰ قرار پاتا۔ آنحضرتؐ اس کا کچھ جواب نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ میری اسی آرزو کے مطابق یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ إِنَّكَ أَنتَ عِنْدَ عَيْنِ رَبِّكَ وَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ قَائِمًا وَقَاظِمًا وَسَاجِدًا ۝۱۱۱ اور مقامِ ابراہیم کو ناز کی جگہ بناؤ۔
یہ بھی میں بار بار کہا کرتا تھا کہ ازواجِ مطہرات کو اگر پردہ میں رہنے کا حکم دیں تو بہتر ہے۔ اس حضرتؐ خاموشی کے سوا کچھ جواب نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ آیت سجاہ نازل ہوئی۔ اور آقاہات المومنین پر وہ میں رہنے لگیں۔
اسی طرح جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے ناراض ہو گئے تھے تو میں نے ان بیویوں سے جا کر کہا تھا۔

عَسَىٰ رَبُّهُ أَنْ طَلَّقَنَّ يَأْتِيَنَّكَ وَأَنْ يَبْدِلَ اللَّهُ لَكَ خَيْرًا مِنْكَ ۚ ۝۱۱۲
رب اس کو تم سے بہتر بیویاں بدلے میں دیدیگا
اللہ تعالیٰ نے یہی آیت نازل فرمائی۔

لیکن ان تین کے علاوہ اسیرانِ بدر وغیرہ کے متعلق اور بھی موافقات

عمر ہیں۔ اسی طرح اور بھی بعض صحابہ کے خیال یا قول کے مطابق آیات کا نزول ہوا ہے۔ اس موافقت کی وجہ یہ ہے کہ قرآن فطرت انسانی کے بالکل مطابق ہے۔ اس لئے ان خاص خاص مواقع پر جو خیالات انسان کے دل میں فطرتاً پیدا ہو سکتے تھے، ہوئے۔ اور قرآن کی آیتوں سے مطابقت کھا گئی۔

مکی اور مدنی آیات

جس طرح قرآن کے نازل ہونے کا کوئی وقت نہیں مقرر تھا۔ دن کو بھی
 تر تا تھا سات کو بھی اترتا تھا۔ اسی طرح اس کے لئے کوئی جگہ بھی مخصوص نہیں
 تھی۔ کوئی سورہ مکہ میں نازل ہوئی۔ کوئی طائف میں کوئی قبا میں کوئی مدینہ
 میں۔ لیکن بالاجمال قرآن کی دو قسمیں کر دی گئی ہیں۔ مکی اور مدنی۔ اس
 طرح پر کہ ہجرت سے قبل جو نازل ہوا وہ مکی ہے اور ہجرت کے بعد جو اترتا
 وہ مدنی ہے۔ خواہ وہ کہیں بھی نازل ہوا ہو۔ مکہ کے اندر وہ تمام مقامات بھی
 مال سمجھے گئے جہاں نبی صلی اللہ علیہ وسلم قیام مکہ کے زمانہ میں آتے جاتے
 تھے۔ مثلاً منا۔ حدیبیہ۔ عرفات اور طائف وغیرہ۔ علیٰ ہذا مدینہ میں بھی وہ مقامات
 مال سمجھے گئے ہیں جہاں قیام مدینہ کے زمانہ میں آپ کا جانا ہوا۔ جیسے بدر
 مد۔ بتوک وغیرہ۔

ابتداءً رسالت سے تبار پہنچنے تک کا کل زمانہ ۱۲ برس ۵ مہینے
 اور دن ہے۔ یہ سب آنحضرت کے قیام مکہ کا زمانہ قرار دیا جاتا ہے۔ اس میں
 ۹ سورتیں نازل ہوئیں جو قریب دوثلث قرآن کے ہیں اور اس کے بعد
 ۳ سال کے قیام مدینہ کے زمانہ میں ۲۱ سورتیں اتریں جو قریب ایک
 ثلث قرآن کے ہیں۔

۱۰ اور مدنی آیات میں فرقہ:۔ مدنی آیتیں مکی آیتوں سے دو باتوں میں

ممتاز ہیں۔

(۱۱) مکی آیتوں میں زیادہ تر انبیاء سابقین اور ان کی امتوں کے قصے ہیں۔ بخلاف اس کے مدنی آیتوں میں خود مسلمانوں کے معاملوں اور ان کی لڑائیوں کا ذکر ہے۔

(۱۲) مکی آیات میں بیشتر جمع اسے اللہ اور تزکیہ قلب کی تعلیم ہے۔ اور مدنی آیات میں زیادہ تر فرائض، احوال اور نواہی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ مکہ میں قرآن کے مخاطب کفار تھے۔ ان کو اسلام کی طرف بلانا تھا۔ اور مدینہ میں چونکہ مسلمانوں کی ایک جماعت تیار ہو چکی تھی اس لئے بیشتر انہیں کو مخاطب کر کے دین کے فرائض کی تعلیم دی۔

تکرار نزول

بعض لوگوں نے یہ لکھا ہے کہ چند سورتیں اور آیتیں قرآن میں ایسی ہیں جو مکہ اور مدینہ دونوں جگہ نازل ہوئیں اور اس کی وجہ یاد دہانی نصیحت یا اس آیت کی عظمت کو قرار دیتے ہیں۔ لیکن یہ قول صحیح نہیں ہے۔ کوئی آیت یا کوئی سورہ ایک بار سے دوسری بار نہیں نازل ہوئی کیونکہ دوبارہ نازل کرنا بالکل عبث تھا۔ اس لئے کہ آیت کے نازل ہونے کے بعد اللہ کے منشاء کے بغیر اس کا بھول جانا ناممکن تھا۔ قرآن میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے وعدہ کیا گیا ہے۔

لَا تَحْرُكَ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَتَّعَبَلَ بِهٖمۡ ۗ قُرْآنٌ مِّنۡ مَّوَدِّعٍ لِّمَنۡ يَّهْتَدِ ۗ لَئِنۡ كُنۡتَ لَمِنَ السَّٰكِبِۚ

اَعْلَيْنَا جَمْعُهُ وَقَرَأْنَا ط
کوست بنا۔ اس کا پڑھا دینا اور یاد کرنا

ہمارے ذمہ ہے۔

۱۴-۱۵

نُقِرَّتْ فَلَا تَنْسَى آ ۴۶
ہم تجھے پڑھا دیں گے پھر تو نہیں بھولے گا۔

دوبارہ نازل ہونے کا جو خیال بعض آیتوں کے متعلق کیا گیا ہے اس کی
ومتعارض روایتوں پر ہے جن میں سے ایک یقیناً غلط ہوتی ہے۔

حضرت آدم اور موسیٰ کے قصوں میں جو متغارب آیتیں کئی جگہ نازل
لی ہیں وہ بمنسبہ قرآن میں موجود ہیں۔ اور ان میں سے ہر ایک الگ الگ
بت شمار کی جاتی ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ ایک ہی آیت بار بار نازل ہوئی ہو
یہ کہ ان قصوں کے بار بار دہرانے کی کیا ضرورت تھی اس کے جواب
شاہ ولی اللہ صاحب لکھتے ہیں۔

کلام دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو یہ کہ اس سے کسی بات کا بتلانا مقصود
ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ بتلانا مقصود نہیں ہوتا بلکہ ایک شے معلوم
ہے اسی کو تازہ کرنا نظر ہوتا ہے۔ تاکہ طبیعت کو حظ حاصل ہو۔ اور
اس کی یاد سے وہ جذبات جو ٹھنڈے پڑ گئے ہیں پھر گرم ہو جائیں
جیسے ایک شاعر جو کسی شعر کو جانتا ہے لیکن بار بار اس کو دہراتا ہے
سوچتا ہے۔ لذت لیتا ہے اور اپنے جذبہ کو تازہ کرتا ہے۔

قرآن کے وہ قعے یا حکمت کی باتیں جو بار بار دہرائی گئی ہیں ان
کا یہی منشا ہے کہ ان سے روح پر جو لطیف اور پاک اثر پڑتا ہے وہ

اس کی یاد سے تازہ ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ احکام اور فرائض کی کوئی آیت کئی جگہ نہیں نازل ہوئی۔ کیونکہ وہ حکم ہیں۔ اور بمنزلہ قانون کے ہیں۔ روح پر کوئی خاص لطیف اثر ان کے علم سے نہیں پڑتا بلکہ ان پر عمل کرنے سے پڑتا ہے۔

اجزاء قرآن

قرآن سورتوں میں منقسم ہے۔ اور یہ تقسیم اللہ کی طرف سے ہے۔ ہر سورہ بجائے خود ایک مستقل باب یا فصل ہے کہ جو مضمون اس میں شروع ہوا ہے وہ پورا اسی میں ختم ہو گیا ہے۔

سات منزلوں میں تقسیم صحابہ نے کی تھی۔ کیونکہ وہ لوگ بالعموم ایک ہفتہ میں ایک بار قرآن کو ختم کرتے تھے۔ لیکن تیس پارے اور ہر پارہ میں نصف اور ربع یہ تقسیم حجاج بن یوسف کے عہد میں آسانی اور شمار رکھنے کے لئے کی گئی ہے۔ اور رکوع زمانہ مابعد میں حفاظ نے تراویح کی نماز کے لئے متعین کئے ہیں۔

رموز اوقاف

عہد نبوت میں وقت صرف آیات پر ہوتا تھا۔ اس لئے کہ ہر آیت جہاں ختم ہوتی ہے وہاں جگہ پورا ہو جاتا ہے۔ ابو عمرو بن العلاء قاری کے زمانہ تک یہی دستور چلا آیا اور سب سے نافع پہلے شخص ہیں جنہوں نے آیات کے علاوہ بیچ میں بھی ٹھہرنے کی اجازت دی

ترتیب قرآن

قرآن جس ترتیب سے نازل ہوا وہ اس کی اصلی ترتیب نہ تھی۔ کیونکہ اس کی آیتیں حسب موقع اور حسب ضرورت اترتی تھیں۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم ہدایت الہی کے ذریعہ سے اس کو اس ترتیب پر مرتب فرما لیتے تھے جو اس کی اصلی ترتیب لوح محفوظ میں تھی۔
موجودہ ترتیب قرآن کے دو حصے ہیں۔ آیتوں کی ترتیب اور سورتوں کی ترتیب۔

ترتیب آیات

ترتیب آیات کے متعلق ساری امت کا اجماع ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبریل کے بتانے سے منشاء الہی کے مطابق ان کو مرتب فرمایا۔ اسی ترتیب سے لکھوایا اور یاد کرایا۔ حضرت زید بن ثابت جو کاتب وحی تھے بیان کرتے ہیں کہ ہم فرمان نبوی کے مطابق آیتوں کو ترتیب دے کر لکھتے تھے۔

حضرت عثمان سے روایت ہے کہ آنحضرت کے اوپر جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو آپ فوراً کسی کا تپ وحی کو بلا کر لکھواتے تھے اور یہ بتلا دیتے تھے کہ یہ آیت فلاں سورہ کی ہے۔ اس کو فلاں آیت کے بعد اور فلاں آیت کے پہلے لکھو۔

خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم پورا قرآن از بر رکھتے تھے۔ اور برابر اس کی تلاوت کرتے تھے۔ نمازوں میں اس کی سورتیں پڑھتے تھے۔ اور صحابہ کا بھی یہی حال تھا۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن شروع سے آخر تک مرتب تھا۔ امام مالک کا قول ہے۔

قرآن جو اس وقت ہمارے درمیان موجود ہے صحابہ نے اس کو اسی ترتیب کے ساتھ لکھا جس ترتیب کے ساتھ آنحضرتؐ سنا۔ امام بخاری لکھتے ہیں۔

صحابہ نے قرآن کو اسی ترتیب سے لکھا جس ترتیب سے آنحضرتؐ نے اس کو اپنے سامنے لکھوایا تھا۔ ہم اطمینان کے ساتھ اعتقاد رکھتے ہیں کہ یہ قرآن بعینہ وہی ہے جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سنایا اور جو لوح محفوظ میں تھا۔ کیونکہ آنحضرتؐ اپنی طرف سے اس کو مرتب نہیں فرماتے تھے۔ بلکہ جس طرح جبریل بتاتے تھے اس طرح ترتیب دیتے تھے۔

ترتیب سُوْر

سورتوں کے تعلق بھی علماء محققین کا قول ہے کہ ان کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب کر دیا تھا۔ قاضی ابوبکر لکھتے ہیں۔

جس طرح آیتوں کی ترتیب آنحضرتؐ کو جبریل نے بتائی تھی اسی طرح سورتوں کی بھی۔ جس قدر قرآن اتر چکا تھا رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم اُس کو ہر سال رمضان میں دُہرایا کرتے تھے۔ اور
جبریل اُس کو مرتب کر دیتے تھے۔

جس طرح ایک آیت دوسری آیت سے مرتب ہے۔ اسی طرح
ایک سورہ دوسری سورہ کے ساتھ ہے۔

علامہ کرمانی اور نیز طیبی کا قول ہے۔

قرآن اگرچہ حسب اتمقنائے ضرورت تھوٹا تھوٹا نازل ہوا۔ لیکن
اس کی جو ترتیب لوح محفوظ میں تھی اسی کے مطابق اس کی
آیتیں اور سورتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مرتب فرمائیں۔

عہد نبوت میں قرآن کی تمام آیتیں اور سورتیں مرتب ہو گئی تھیں۔
سورہ بقرات چونکہ سب سے آخر میں نازل ہوئی تھی اس لئے اس کے
متعلق کوئی حکم آپ نے نہیں دیا تھا۔ وفات بنوی کے بعد صحابہ نے اس
سے کئے مضمون کو سورہ انفال کے مضمون سے ملتا جلتا دیکھ کر یہ سمجھا کہ اسی
کا بقیہ ہے۔ اس لئے دونوں کو ملا دیا۔ اور بیچ میں بسم اللہ بھی نہیں لکھی۔
امام احمد نے رعایت کی ہے کہ

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو ریت کے بدلے جھوکو بیچ بطوال
عطا کی گئیں۔ زبور کے عوض۔ سین۔ انجیل کے بجائے مثانی۔ اور
یہ میری فضیلت ہے کہ ان سب کے علاوہ جھوکو غنقل بھی دی گئیں
اب قرآن کی سورتوں کو دیکھئے۔ ان کی چار قسمیں قرار دی گئی ہیں۔

سبع طوال۔ شروع کی سات بڑی بڑی سورتیں۔
 مسین۔ جن سورتوں میں کم و بیش سو آیتیں ہیں۔ یونس سے فاطر تک۔
 مثانی۔ جو بار بار دہرائی جاتی ہیں۔ یسین سے ق تک۔
 مفصل۔ چھوٹی چھوٹی سورتیں جن میں جلد جلد فصل واقع ہو جاتا ہے ق
 سے الناس تک۔ یہی ترتیب بعینہ اس وقت قرآن کی سورتوں
 کی ہے۔ اس لئے اس بات میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ سورتیں
 بھی زمانہ نبوت میں مرتب تھیں۔
 بعض روایتیں معصوم عبد اللہ بن مسعود و ابی بن کعب کی سورتوں
 کی ترتیب کو موجودہ قرآن سے کسی قدر مختلف ظاہر کرتی ہیں۔ لیکن وہ
 اس قدر ضعیف ہیں کہ کسی طرح قابل قبول نہیں۔

ونیز مقصود نہ مجرد افادہ است بلکہ افادہ مع التکرار والا استعمار۔ و

اس معنی و در غیر مرتب اقوالے و اتم است

شاہ صاحب کا مطلب یہ ہے کہ جو ترتیب تم چاہتے ہو عرب اس کو جانتے ہی نہ تھے اور مصلحت اسی امر کی متقاضی تھی کہ جن لوگوں کی زبان میں قرآن نازل ہوا ہے وہ جس طرح پر کلام کرتے ہوں اسی اسلوب پر قرآن بھی ہو۔ ورنہ ان کی سمجھ میں نہ آتا۔

علاوہ بریں قرآن کا مقصد یہ ہے کہ اخلاص اور تزکیہ نفس کے مضامین اس قدر بار بار دہرائے جائیں کہ مخاطب ان کے اثر میں چھو ہو جائے۔ اور یہ اس ترتیب اور تسلسل کی صورت میں جس کو تم چاہتے ہو نہیں ہو سکتا تھا۔
قرآن مرلوط ہے

لیکن حقیقت یہ ہے کہ قرآن کسی آدمی کا کلام نہیں ہے۔ بلکہ اللہ کا کلام ہے۔ اور جس قدر متکلم کی شان ارفع و اعلیٰ ہوتی ہے اسی قدر اس کا کلام بھی بلند ہوتا ہے۔ اور کلام کی بلندی اور رفعت کا انحصار ایجاز و اختصار پر ہے۔ قرآن مجید اس قدر موجز اور مختصر ہے کہ کسی کلام کا اس کے برابر موجز اور مختصر ہونا ممکن نہیں۔ اور موجز کلام میں چونکہ زائد باتیں نہیں ہوتیں صرف ضروری رموز اور کلمات ہوتے ہیں۔ اس لئے اس کا تناسب آسانی سے سمجھ میں نہیں آتا۔ ورنہ حقیقت میں وہ کلام تناسب سے خالی نہیں ہوتا۔ یہ سوچنے کی بات ہے کہ اگر آیات قرآنی میں تسلسل اور

رہنا نہ ہوتا تو پھر کیا وجہ تھی کہ جب کوئی آیت نازل ہوتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم خود بتلاتے تھے کہ اس کو فلاں سورہ میں فلاں آیت کے پہلے لکھو۔

علماء معتقین جو کلام اللہ میں زیادہ غور و فکر کرتے رہے ہیں وہ ہمیشہ سے اس کے مربوط اور مستقیم ہونے کے قائل رہے ہیں۔ علامہ ابن العزنی نے لکھا ہے۔

میرا دعویٰ ہے کہ قرآن کریم کی تمام آیتیں مسلسل اور ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں لیکن چونکہ جمہور اس علم کی قدر نہ کریں گے اس لئے میں خود ہی اس کا لطف اٹھا لیتا ہوں۔ اور اس کو اپنے اور اللہ کے درمیان رکھتا ہوں۔

امام مازمی نے بھی تناسب آیات کی طرف زیادہ توجہ مبذول کی ہے اور تفسیر کبیر میں لکھتے ہیں۔

قرآن کی بہت سی لطافتیں اور نزاکتیں ترتیب آیات میں مخفی ہیں۔ اگر انسان ان پر غور کرے تو اس کو قرآن میں زیادہ لذت ملے۔ سورہ بقرہ کی تفسیر کے خاتمہ پر لکھا ہے۔

جس نے اس سورہ کے لطیف تناسب پر غور کیا ہے۔ اور اس کی دلکش ترتیب کو نظر تامل سے دیکھا ہے وہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن بلند ہی معانی اور فصاحت الفاظ ہی کے لحاظ سے معجزہ نہیں ہے

بلکہ ترتیب نظم کے لحاظ سے بھی معجزہ ہے۔ مفسرین اس کی ترتیب کے لطائف سے ناواقف ہونے کی وجہ سے اس کی طرف توجہ نہیں کرتے اور یہ کہہ دیتے ہیں کہ قرآن ترتیب کا پابند نہیں ہے۔

تناسب آیات کا سمجھنا اس امر پر موقوف ہے کہ پہلے آدمی سورہ پر غور کرے کہ بحیثیت مجموعی اس کے اتارنے کی غرض کیا ہے۔ پھر یہ سوچے کہ اس خاص غرض کو سمجھانے کے لئے کن کن مقدمات کی ضرورت ہے۔ پھر ان مقدمات کے مراتب پر لحاظ کرے کہ بحیثیت اصل غرض سے قریب یا بعید ہونے کے ان کے مارج میں باہمی کس قدر تفاوت ہے۔ اور ان کے بیان سے پہلے کلام میں کیا کیا تمہیدیں ہوتی چاہئیں۔ تاکہ جس وقت وہ اصلی غرض بیان کی جائے ان تمہیدات اور مقدمات کے سننے کے بعد سامع کا ذہن اس کو قبول کرنے کے لئے تیار رہے۔ اور بلاچین و جہاں اس کو مانگے ان سب باتوں پر غور کرنے کے بعد آسانی سے تناسب مجموعی میں آسکتا ہو۔ الغرض قرآن تناسب سے خالی نہیں اور اس کی آیتیں ایک دوسرے کے ساتھ لطیف ربط رکھتی ہیں۔

ربط قرآن پر تصانیف

اس خاص عنوان پر تفسیریں بھی لکھی گئی ہیں جن میں آیات کا باہم

ربط دکھایا گیا ہے علامہ برہان الدین بقاعی متوفی ۸۸۵ھ نے نظم الدر
 فی تناسب الآئے والتورہ علامہ سیوطی نے اسرار التنزیل اور شیخ علی بن
 احمد ہائمئی متوفی ۸۲۵ھ نے تبصیر الرحمن لکھی۔ اس زمانہ میں مولانا حافظ
 حمید الدین فراہی عربی زبان میں تفسیر نظام الفرقان لکھ رہے ہیں۔ جس کے
 بعض اجزاء شائع ہو چکے ہیں امید ہے کہ اس کے مکمل ہو جانے کے
 بعد اس عنوان پر پھر کسی تصنیف کی حاجت نہ رہے گی۔

خاطتِ قرآن

قرآن مجید کی خاطت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لیا ہے۔ اور صاف

صاف نفلوں میں فرمایا ہے۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ

ہم نے قرآن کو اتانا اور ہمیں اس کی خاطت کرنے والے ہیں۔

۱۵

اس آیت میں الذکر کا جو لفظ ہے اور جس کے معنی ہم نے قرآن

کے لکھے ہیں اس کی یہی تفسیر خود اللہ تعالیٰ نے سورہ سجدہ میں کر دی ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِالذِّكْرِ لَمَّا جَاءَهُمْ

وَأَنَّهُ لَكِتَابٌ عَرَبِيٌّ لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ

مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ

تَنْزِيلٍ مِنْ حَكِيمٍ حَمِيدٍ

جن لوگوں نے الذکر کا انکار کیا وہ جہنمی ہیں، اور حقیقت یہ ہے کہ وہ عورت

والی کتاب ہے باطل نہ اس کے آگے نہ

اس کے پاس پہنکتا ہے نہ پیچھے سے اور

جوٹ کا اس کے آگے اور پیچھے سے نہ پہنکتا اس کے معنی یہ ہیں

کہ اس کتاب میں کوئی زائد لفظ داخل نہیں کیا جاسکتا۔ اور نہ اس کا کوئی لفظ

اس میں سے خارج کیا جاسکتا ہے۔ اور یہ باتیں صرف اعتقاد ہی نہیں ہیں بلکہ دلائل واقعی اور شواہد تاریخی سے قطعی طور پر ثابت ہیں۔

حفظ قرآن وہ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اہل عرب کا ماقظ نہایت

دہر دست تھا۔ وہ اپنے فخرمائے نسب اور بڑے بڑے واقعات اور قصائد
کو ایک بار سن کر ہر زبان یاد کر لیتے تھے قرآن کی حفاظت کے اسباب میں سے
ایک بڑا سبب یہ ہے کہ خود آنحضرتؐ اور نیز صحابہؓ کی ایک کثیر تعداد نے اس کو
ہر زبان یاد رکھا اور اس سلسلہ کو ہمیشہ کے لئے جاری کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور نیز مسلمانوں کو تلاوت قرآن کا
علم دیا اور فرمایا۔

فَأَقْرءُوا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْآنِ ۚ ۱۰۱ جتنا قرآن آسانی سے پڑھ سکو پڑھو۔

اھان اوقات اور لمحات کو جو تلاوت قرآن میں صرف ہوں مسلم کی زندگی
کا ایک پیش قیمت سرمایہ قرار دیا۔ جس سے وہ نماز اور زکوٰۃ کی طرح دونوں
جہاں میں بے شمار نفع حاصل کر سکتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ يَتْلُونَ كِتَابَ اللَّهِ وَأَقَامُوا الصَّلَاةَ وَأَلْفَقُوا مِمَّا رَزَقْنَاهُمْ
سِرًّا وَعَلَانِيَةً يَرْجُونَ تِجَارَةً لَّنْ تَبُورًا ۱۰۲
بیشک جو لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت کرتے
ہیں اور نماز قائم کرتے ہیں اور پوشیدہ اور
علانیہ اس مال میں سے خرچ کرتے ہیں جو ہم نے
ان کو دیا ہے وہ ایسی تجارت کی امید رکھتے

ہیں جس میں ہرگز خسارہ نہیں۔

۱۰۱

آیات قرآنیہ اور ضمناً حفاظ قرآن کی مدح میں فرمایا۔

بَلْ هُوَ آيَاتٌ بَيِّنَاتٌ فِي صُدُورِ
رِالَّذِينَ أُوْتُوا الْعِلْمَ ۚ ۱۰۳
بلکہ یہ کھلی کھلی آیتیں ہیں ان لوگوں کے
سینوں میں جن کو علم دیا گیا ہے۔

۱۰۲

حفظ قرآن کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے حفاظ کے سینوں میں قرآن کی حفاظت کا سامان کر دیا۔ جو غیر مدو کتاب کے اس کو ترتیب کے ساتھ پڑھتے ہیں۔

نیز قرآن جس وقت پڑھا جائے خاموشی کے ساتھ اس کو سننے کا حکم دیا۔ اس میں ایک مصلحت یہ بھی ہے کہ اگر پڑھنے والے سے کوئی غلطی ہو جائے تو سامع اس کو رفع کر دے۔

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا
 اُد جب قرآن پڑھا جائے تو تم لوگ
 چپ رہو اور سنو۔

قرآن کی کسی آیت کے چھپانے والے کو دنیا بھر کا ملعون قرار دیا تاکہ مسلمان اس جرمِ قبیح کے مرتکب نہ ہوں۔ پھر یہ بھی حکم دیا کہ امت اسلامیہ میں سے ایک جماعت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض ادا کرے۔ یہ وہی لوگ ہوں گے جو مالمین کتاب ہیں۔

الغرض قرآن کی تلاوت۔ اس کا حفظ۔ اس کی ترویج و اشاعت و تبلیغ ان سب کو امت کے فرائض اور اس کی بہترین عبادات میں سے قرار دیا۔

اہتمام حفظ

ابتدائے نزول سے جس وقت کوئی آیت اُترتی تھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس کو لکھانے کے علاوہ لوگوں کو اسی وقت یاد کرا دیتے تھے اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھتے تھے کہ کہیں الفاظ قرآن میں غلطی یا

تغیر و تبدل نہ ہو جائے اس لئے جن کو یاد کراتے تھے ان سے پھر بار بار سنا
بھی کرتے تھے مادہ خود بھی ان کو سناتے تھے۔

مکہ میں حضرت اوستم قزویمی کے گھر کو آپ نے تلاویہ کا نام مقرر کیا
تھا۔ وہیں مسلمانوں کے ساتھ جاتے تھے۔ اور قرآن خوانی کرتے تھے یہ مکان
مکہ میں اب تک موجود ہے لیکن افسوس ہے کہ اس کے تاریخی رتبہ کے
مناسب اس کی طرف توجہ نہیں کی گئی ہے۔

جب مدینہ میں ہجرت کر کے تشریف لائے تو یہاں ایک جماعت اہل صفحہ
کے نام سے تھی۔ یہ وہ غریب تھے جو گھربار چھوڑ کر آئے تھے اور جن کا کہیں
ٹھکانا نہ تھا مسجد نبوی میں ایک صفحہ یعنی چوترا تھا اسی پر گند کر لیتے
تھے۔ یہ کم و بیش ۸۰ آدمی تھے۔ جس وقت کوئی آیت نازل ہوتی تھی
نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کو یاد کرا دیتے تھے اور یہ لوگ مدینہ کی گلیوں
میں جا جا کر لوگوں کو یاد کراتے تھے۔

حفاظ صحابہ

خلفاء راشدین اور بڑے بڑے ہاجرین رضی اللہ عنہم شروع سے
قرآن حفظ کرتے آتے تھے۔ حضرت ابو بکر نے مکہ میں اپنے گھر میں ایک
جگہ مخصوص کر لی تھی وہاں تلاوت کیا کرتے تھے۔ عبداللہ بن مسعود کو
خود آنحضرت یاد کراتے تھے۔ اور ان کی قرأت کو پسند فرماتے تھے۔ اپنی
مرض الموت میں انہیں سے قرآن پڑھا کر سنا کرتے تھے یہاں تک

کہ تقریباً سارا قرآن انہوں نے سنایا۔

سالم مولے مذیفہ۔ ابی بن کعب اور معاذ بن جبل وغیرہ رضی اللہ عنہم بھی پھر قرآن ازہر رکھتے تھے۔ خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کو یاد کرایا تھا۔ اسی لئے لوگوں کو تاکید فرمایا کرتے تھے کہ ان کے قرآن سیکھو۔ ہاجرین میں سے خلفاء اربعہ کے علاوہ حضرت طلحہ۔ سعد بن وقاص ابو ہریرہ عبد اللہ بن سائب۔ عبد اللہ بن عمرو بن العاص۔ حضرت عائشہ خفصہ اور ام سلمہ اور انصار میں سے عبادہ بن العاصم۔ ابو طلحہ۔ مجمع بن جاریہ فضالہ بن عبیدہ مسلمہ بن مغلہ۔ تیمم داری۔ عقبہ بن عامر اور ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم یہ سب کے سب پورے قرآن کے حافظ تھے۔

ان کے علاوہ ہر ایک صحابی ایک مقدمہ حصہ قرآن کا یاد رکھتا تھا اور یہ ایک ایسا مقبول اور مؤثر طریقہ کتاب اللہ کی حفاظت کا رائج ہوا کہ ہر زمانہ اور ہر اسلامی ملک میں ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں مسلمان قرآن حفظ کرتے رہے ہیں۔ اور اللہ کا شکر ہے کہ یہ سلسلہ بدستور جاری ہے،

کتابت قرآن

دوسرا سبب قرآن کی حفاظت کا یہ ہوا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی ہی میں اس کو مکمل لکھوا دیا تھا۔

یہ ظاہر ہے کہ قرآن کتاب ہے۔ اور انبیاء گزشتہ پر جو کتاب میں نازل

ہوئی تھیں وہ بذریعہ کتابت محفوظ رکھی جاتی تھیں۔ اس لئے آنحضرتؐ نے اس سنت قدیمہ کے مطابق حفظ کے علاوہ کتابت کا طریقہ بھی اختیار کیا۔ ابو داؤد میں روایت ہے کہ جب کوئی آیت اترتی تھی تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم فوراً کسی کاتب وحی کو بلوا کر اس کو لکھوا دیتے تھے۔ اور یہ بھی بتلا دیتے تھے کہ فلاں جگہ اس کو لکھو۔

حضرت عمر کے اسلام لانے کے متعلق کتب حدیث میں یہ واقعہ موجود ہے کہ انہوں نے اپنی بہن کے گھر میں چند ورقے قرآن کے دیکھے تھے جن کو پڑھ کر اسلام کی حقانیت ان کے دل میں بیٹھ گئی اور وہ آنحضرتؐ کی خدمت میں جا کر اسلام لائے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ مکہ میں عام طور پر جو مسلمان لکھے پڑھے تھے قرآن کو لکھ لیا کرتے تھے۔

کاتبان وحی

نبی صلی اللہ علیہ وسلم وحی کی کتابت کے لئے معتبر صحابہ کو منتخب فرماتے تھے۔ مکہ میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عثمان اور حضرت علی وغیرہ رضی اللہ عنہم لکھا کرتے تھے۔ اور جب مدینہ میں آئے تو یہاں ان کے علاوہ زبیر بن العوام ابی بن کعب خنظلہ بن الربیع، زید بن ثابت، ابی بن فاطمہ، عبداللہ بن ارقم شریبل بن حسنہ، عبداللہ بن رواحہ، امیر معاویہ، خالد بن سعید، اور ابان بن سعید وغیرہ رضی اللہ عنہم لکھتے تھے۔

ان کے علاوہ بہت سے لوگ بطور خود قرآن کو لکھ کر اپنے پاس رکھتے تھے۔ مثلاً معاذ بن جبل۔ ابوالدرداء۔ ابوالیوب انصاری۔ عبادہ بن الصامت وغیرہ رضی اللہ عنہم۔ نیز عبداللہ بن مسعود اور عبداللہ بن عمر نے بھی پورا پورا قرآن لکھ کر اپنے پاس رکھا تھا۔

باوجود اس کے کہ صحابہ میں اس قدر لکھنے والے موجود تھے پھر بھی نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی خواہش تھی کہ اور زیادہ لکھنے والے پیدا ہوں۔ چنانچہ لوگوں کو لکھنے کا شوق دلانے تھے۔ اور بدر کے قیدیوں میں سے ان لوگوں کا جو لکھنا جانتے تھے آپ نے یہی فدیہ مقرر کیا تھا کہ مدینہ کے دس دس آدمیوں کو لکھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں۔

کتابت قرآن میں مزید احتیاط آپ نے یہ کر رکھی تھی کہ کاتبوں کو منع فرمادیا تھا کہ قرآن کے علاوہ مدینیں وغیرہ کچھ نہ لکھیں۔ کیونکہ اس سے غلط طع ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ مسلم میں یہ روایت ہے۔

لَا تَمْلِكُ بَوْلًا عَنِّي غَيْرَ الْقُرْآنِ
جہ سے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو
قرآن کتاب ہے

قرآن کو اسی وجہ سے جا بجا آیات میں کتاب کہا ہے کہ وہ شروع سے لکھا جاتا تھا۔

ذَلِكَ الْكِتَابُ لَا يُرِيدُ بِهِ فِتْنَةٌ ۗ
یہ کتاب ہے جس میں کچھ شک نہیں۔
دوسری آیت میں ہے۔

أَوَلَمْ يَكْفِهِمْ أَنَّا أَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ
يَتْلُو عَلَيْهِمْ ؕ ۳۹

کیا ان کے لئے یہ کافی نہیں ہے کہ ہم نے تجھ پر
کتاب نازل کی جو ان کو سنائی جاتی ہے۔

سورہ صبر میں ہے۔

إِنَّمَا تِلْكَ آيَاتُ اللَّهِ وَمَنْ شَاءَ ذَكَرْهَا
فِي صُحُفٍ مُّكْرَمَةٍ وَتَرْتُوبَةٍ مَّتَطَهَّرَتْهَا
بِأَيْدِي سَفَرَةٍ ۚ كَرِيمٍ بَرٍّ ؕ ۴۰

بے شک یہ قرآن نصیحت ہے۔ جو چاہے اس کو
یا درکھے۔ پاکیزہ بلند مرتبہ اور کرم صحیفوں میں نازل
اور نیک کاتبوں کے ہاتھوں سے لکھا ہوا ہے۔

سورہ بینہ میں ہے۔

رَسُولٍ مِّنَ اللَّهِ يَتْلُو صُحُفًا مُّطَهَّرَةً
فِيهَا الْكُتُبُ قَيِّمَةٌ ۙ ۴۱

اللہ کا رسول پاک صیغے ان کو سناتا ہے جس
میں کئی باتیں لکھی ہوئی ہیں۔

اسی کے متعلق یہ ارشاد فرمایا ہے۔

إِنَّهُ لَكَرِيمٌ ۚ إِنَّ كَرِيمًا فِي كِتَابٍ مُّكْتُمٍ
لَّا يَشْفَعُ إِلَّا الْمُطَهَّرُونَ ۚ مَا تَنْزِيلُ
مِّن رَّبِّ الْعَالَمِينَ ۙ ۴۲

یہ قرآن کریم ہے جو محفوظ کتاب میں ہے۔ وہی
لوگ اس کو ہاتھ لگاتے ہیں جو پاکیزہ ہیں۔ نازل
ہوا ہے رب العالمین کا۔

ان تمام آیات سے روز روشن کی طرح نمایاں ہو گیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
قرآن کو لکھواتے تھے۔ وہ کتاب کے نام سے مشہور و معروف تھا۔ اس کی سورتیں
اور آیتیں سب جہد نبوت میں کھل لکھی ہوئی موجود تھیں۔ اور لوگ اس کو لکھ کر
اپنے پاس رکھتے تھے۔ اور پڑھتے تھے۔

جمع قرآن

قرآن کریم اگرچہ عہد نبوت ہی میں مکمل لکھوادیا گیا تھا لیکن وہ نوشتے متفرق اور منتشر تھے۔ حضرت عمر کو سب سے پہلے یہ خیال پیدا ہوا کہ ان کو ایک شیرازہ میں جمع کرا دیں۔ اور یہ خیال اس وقت پیدا ہوا جب جنگ یمانہ میں جو آنحضرتؐ کے انتقال کے بعد ہی مسیلہ کذاب کی قوم بنی حنیفہ سے ہوئی تھی سات سو حفاظ قرآن شہید ہو گئے۔ انہوں نے سوچا کہ اگر عاملان قرآن کا اسی طرح خاتمہ ہوتا گیا تو کہیں قرآن صنائع نہ ہو جائے اس لئے حضرت ابوبکر کے سامنے اس خیال کو پیش کیا۔ انہوں نے پہلے تو یہ عذر کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو ایک شیرازہ میں جمع نہیں کرایا امت کو لکھا دیا۔ یاد کرا دیا اور ان کے اوپر چھوڑ دیا۔ اب میں وہ کام کیوں کروں جس کو آپ نے نہیں کیا۔ مگر حضرت عمر کے اصرار سے وہ بھی اس ضرورت کو سمجھ گئے اور اس کام کے لئے تیار ہو گئے۔ صحیح بخاری میں روایت ہے۔

حضرت زید بن ثابت نے کہا کہ جنگ یمانہ کے بعد حضرت ابوبکر نے مجھ کو طلب فرمایا۔ جب میں حاضر ہوا تو دیکھا کہ عمر بن الخطاب بھی ان کے پاس بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت ابوبکر نے مجھ سے فرمایا کہ عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ اس لڑائی میں بہت سے حفاظ قرآن مقتول

ہو گئے ہیں مجھے خوف ہے کہ قرآن کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ اس لئے میری رائے یہ ہے کہ تم اس کو جمع کرا دو۔ میں نے کہا کہ میں ۵۵ کام کیوں کروں جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا۔ عمرؓ نے کہا کہ اس کا جمع کرا دینا بہتر ہے اور اسی پر وہ اصرار کرتے رہے۔ یہاں تک کہ میری سمجھ میں بھی یہ بات آگئی۔ اور میری رائے بھی ان کی رائے کے مطابق ہو گئی۔

تم جو ان اور عثمانؓ کو ہم کو تمہارے اوپر اعتماد ہے۔ تم آنحضرتؐ کے کاتب وحی تھے جنت کر کے قرآن کو جمع کرا دو۔

زید کہتے ہیں کہ اللہ گواہ ہے کہ اگر وہ مجھ کو پہاڑ اٹھانے کا حکم دے دیتے تو وہ میرے لئے آسان ہوتا لیکن یہ بوجھ مجھے نہایت گراں معلوم ہوا۔

آخر میں آمادہ ہوا۔ کھجور کے پتوں۔ لکڑی کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے اس کو جمع کیا۔ صرف سورہ توبہ کی دو آخری آیتیں سوائے ابو خزیمہ انصاری کے اور کسی کے پاس مجھ کو نہیں ملیں۔

کیفیت جمع

صورت یہ تھی کہ زید بن ثابت۔ سالم مولے حذیفہ اور کئی آدمی اور جو اس کے اہل تھے قرآن جمع کرنے کے لئے مستعد ہوئے زید بن ثابت چونکہ آنحضرتؐ کے ساتھ رہا کرتے تھے اور ہمیشہ وحی لکھا کرتے تھے۔ نیز

سارا قرآن ان کو خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یاد کرایا تھا۔ اور اسی سال رمضان
 میں دو مرتبہ آپ نے پورا قرآن دھرایا تھا اس میں بھی زید خریک تھے اس
 لئے وہ اس جماعت کے سرگروہ قرار پائے۔ حضرت عمر نے مسجد نبوی کے
 سامنے کھڑے ہو کر سب سے کہہ دیا کہ جس شخص نے قرآن کی جس قدر سورتیں
 لکھ رکھی ہوں وہ ہمارے پاس لائے۔ صحابہ آنحضرتؐ کے زمانہ میں کھجور
 کے پتوں، لکڑی کی تختیوں وغیرہ پر اس کو لکھا کرتے تھے۔ انہوں نے
 ان سب کو لا کر فراہم کر دیا۔ زید بن ثابت اور ان کے رفقاء کو خود سارے
 قرآن کے حافظ تھے لیکن مزید احتیاط کے لئے جو کچھ لکھا ہوا پاتے تھے یا
 کسی سے سنتے تھے اس پر دو معتبر گواہ لے لیتے تھے کہ یہ جو کچھ لکھا گیا ہے
 آنحضرتؐ کے سامنے لکھا گیا ہے یا نہیں۔ اور فلاں نے جو کچھ سنایا ہے اس
 نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سنا تھا یا نہیں۔ جب گواہ گذر جاتے
 تھے تو اس کو اپنے حافظہ اور اپنے نوشتہ سے ملا کر مقابلہ کر کے لکھ لیتے تھے۔
 سورہ براءت کی دو آخری آیتیں چونکہ بالکل آخر میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم
 کے مرض الموت میں نازل ہوئی تھیں جس کے ۹ دن کے بعد آپ رحلت
 فرمائے اس لئے وہ سب کے پاس لکھی ہوئی نہ تھیں۔ اور نہ عام طور پر اس
 کی اشاعت ہو سکی تھی صرف وہ صحابہ جانتے تھے جو دربار نبوی میں حاضر
 رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عمر عثمان، ابی بن کعب اور عارف وغیرہ
 رضی اللہ عنہم نے شہادت دی کہ ہم نے بھی ان دونوں آیتوں کو نبی صلی اللہ

علیہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا ہے۔ اس لئے حضرت زید نے ان کو
مہارت کے آخر میں لکھ دیا۔

علامہ محاسبی لکھتے ہیں

قرآن کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی زندگی میں لکھوا دیا تھا لیکن وہ
چھڑوں، تختیوں اور کھجور کے پتوں وغیرہ پر لکھا ہوا منتشر اور متفرق تھا۔
حضرت ابو بکر صدیق نے انہیں منتشر نوشتوں اور صحیفوں کو صحت اور
احتیاط کے ساتھ لکھوا کر ایک جگہ جمع کرا دیا۔ اور شیارہ لگا کر تاکے سے سی
دیا تاکہ اس کا کوئی ورق عنایت نہ ہو۔ یہ مجموعہ بلا ایک حرف کے تغیر و
تبدل یا کسی وحشی کے مجسمہ وہی قرآن تھا جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے
لکھوایا تھا۔ اور بعینہ اسی ترتیب کے ساتھ لکھا گیا۔ اس میں اس قدر احتیاط
اور صحت کا لحاظ رکھا گیا تھا کہ کوئی لفظ قرآن کا نہ لکھنے سے رہ گیا نہ کوئی
بڑھایا گیا۔ اور بلا اشتہار اس پر تمام امت کا اتفاق ہے۔

یہ ایک ایسا ثابت شدہ اور مسلم امر ہے کہ مخالفین اسلام بھی اس کے تسلیم
کر لینے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ ولیم میور نے لکھا ہے۔

کوئی جزو۔ کوئی فقرہ اور کوئی لفظ ایسا نہیں سنا گیا کہ جس کو جمع کرنے
والوں نے چھوڑ دیا ہو۔ نہ کوئی لفظ یا فقرہ ایسا پایا جاتا جو اس مسلم مجموعہ
میں داخل کر دیا گیا ہو۔ اگر ایسے الفاظ یا فقرے ہوتے تو ضرور تھا کہ ان
کا تذکرہ ان احادیث میں ہوتا جن میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

چھوٹی چھوٹی باتیں بھی افعال اور اقوال کی نسبت محفوظ رکھی گئی ہیں
 کاغذ کا اس وقت تک وجود نہ تھا۔ یہ مجموعہ قرطاس پر لکھا گیا۔ اور حضرت
 ابو بکر خلیفہ اسلام کی حفاظت میں رکھ دیا گیا۔ ان کے انتقال کے بعد حضرت
 عمرؓ کے پاس رہا جب انہوں نے انتقال فرمایا تو چونکہ کسی کو اپنا جانشین
 نہیں بنایا تھا اس لئے ان کی بیٹی ام المومنین حضرت حفصہ نے جو پڑھی
 لکھی تھیں اس کو اپنی امانت میں رکھا۔

صحابہ کو بوجہ جنگ اور شاعرت اسلام کی مصروفیت کے اس وقت
 موقع نہ مل سکا کہ اس کے نسخے ملک میں پھیلاتے اس زمانہ میں جس کے
 پاس جس قدر قرآن لکھا ہوا تھا یا جس کو جتنا یاد تھا وہ اسی کی تلاوت کرتا تھا

مصحف عثمان رضی

عرب میں مقامات اور قبائل کے لحاظ سے لب و لہجہ میں کسی قدر اختلافات تھے۔ مثلاً کوئی قبیلہ ملاستِ مضارع کو مفتوح بڑھتا تھا کوئی مکسور۔ کسی مقام کے لوگ حتیٰ کو حتی ثمانیہ کو تمانیہ بولتے تھے۔ کہیں ابتدائی الف ی پڑھا جاتا تھا۔ مثلاً امیر کو امیر کہتے تھے۔ الغرض بعض بعض حروف کے خارج اور ان کی کیفیت ادا میں اسی قسم کے اختلافات تھے۔ چونکہ ان لفظی اختلافات سے قرآن کے معانی پر کوئی اثر نہیں پڑتا تھا۔ اس لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن کو کسی خاص لہجہ میں پڑھنے پر سب کو مجبور نہیں کیا۔ بلکہ اجازت عطا فرمائی کہ جو جس طرح پڑھ سکتا ہو پڑھے۔

جب اہل عجم اسلام لانے لگے تو عربی زبان سے ناواقف ہونے کی وجہ سے ان سے قرأت میں غلطیاں ہونے لگیں۔ اس بنا پر ۲۳ھ میں حضرت عثمان رضی نے ضرورت محسوس کی کہ اصل قرآن کی نقل صحیح قرأت کے مطابق لے کر تمام اسلامی صوبوں میں بھیج دی جائے تاکہ اسی کے مطابق لوگ قرآن کو پڑھیں۔ اور اختلافات مٹ جائیں۔ اس کی منصل کیفیت صحیح بخاری میں اس طرح پر مروی ہے۔

• حضرت مذینہ بن الیمان اہل عراق کے ساتھ جنگ آرمینیہ و آذربائیجان میں شریک تھے وہ عراقیوں کا قرآن سن کر اور

ان کے اختلافات قرأت کو دیکھ کر بہت گھبرائے۔ مدینہ میں آ کر حضرت عثمان سے کہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اپنی اپنی کتابوں میں اختلافات ڈال دئے ہیں اسی طرح مسلمان بھی قرآن میں اختلافات پیدا کر دیں۔ ابھی بہت سویرا ہے جلدی ضرور۔ حضرت عثمان نے حضرت حصہ کے پاس سے مصحفِ اصلی کو منگا کر زید بن ثابت، عبداللہ بن زبیر، سعید بن اہصاف اور عبدالرحمن بن الحارث کو مقرر کیا کہ اس کو نقل کریں۔ زید بن ثابت کے سوا باقی تینوں قریشی تھے۔ ان کو یہ ہدایت کی کہ جب تم میں اور زید بن ثابت میں کسی لفظ کی قرأت کے متعلق کوئی اختلاف واقع ہو تو قریش کے لہجہ کی رو سے فیصلہ کرنا کیونکہ قرآن قریش ہی کی زبان میں اُترا ہے۔

حضرت عثمان کا کام

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں۔

حضرت عثمان نے کوئی مزید کام نہیں کیا صرف یہی کیا کہ قرأت کے اختلافات چونکہ بڑھ رہے تھے انہوں نے معتبر صحابہ کے ہاتھوں سے اسی قرآن کو جس کو حضرت ابو بکر صدیق نے جمع کرایا تھا مستند قرأت کے مطابق جو رسول اللہ سے ثابت تھی نقل کرایا۔ چنانچہ نقل کے زمانہ میں جب کسی قرأت میں باہم اختلاف پڑتا تھا تو

بعض بعض صحابہ جن کی نسبت گمان ہوتا کہ اس کے متعلق وہ کوئی صحیح علم رکھتے ہوں گے تین تین دن کی مسافت سے تعنیه کے لئے بلائے جاتے جس آیت یا لفظ کے متعلق اختلاف ہوتا تھا اس کی جگہ چھوڑ دیتے تھے۔ جب مستند ذریعہ سے وہ اختلاف طے ہو جاتا تھا اور صحیح قرأت کا اسحضرت سے ثبوت مل جاتا تھا تو اس کو اس کی جگہ پر لکھ دیتے تھے۔ •

حضرت عثمان نے بلا کسی کمی بیشی کے اسی ترتیب اور اسی حیثیت کے ساتھ اس قرآن کے نسخے لئے جو با اتفاق امت خلافت صدیقی میں جمع کیا گیا تھا صرف اختلافات قرأت کو رفع کرنے کی غرض سے کتابوں کو یہ ہدایت کی تھی کہ جب کوئی لفظ مختلف القراءت ہو اور اس کے بارے میں تم میں اور زید بن ثابت میں اختلاف واقع ہو تو اس لفظ کو اس طرح لکھنا جس طرح قریش بولتے ہوں۔ کیونکہ قرآن قریش کی زبان میں اترا ہے۔

اختلاف کی ایک مثال

یہ اختلافات اگرچہ نہایت خفیف اور صرف حروف کی کیفیت ادا اور مناسب تک محدود ہوتے تھے لیکن ان کی بھی نہایت کوشش کے ساتھ تصحیح کی جاتی تھی۔ حافظ ابن حجر اسی قسم کی ایک مثال لکھتے ہیں کہ ابوت کے لفظ میں اختلاف واقع ہوا زید بن ثابت کہتے تھے کہ تابوہ ہے متعدد صحابہ سے اس کی تحقیق کی گئی۔ آخر میں خود حضرت عثمان نے فیصلہ

کیا کہ قریش تابوت بولتے ہیں اس لئے یہی قرأت صحیح ہے۔ چنانچہ یہی لکھا گیا۔
جمع ابو بکر و عثمان میں فرق
علامہ ابن التین لکھتے ہیں۔

حضرت ابو بکر اور عثمان کے جمع کرنے میں یہ فرق تھا کہ حضرت ابو بکر نے تو اس خوف سے جمع کیا تھا کہ قرآن کہیں ضائع نہ ہو جائے۔ کیونکہ اس وقت وہ منتشر اور متفرق صحیفوں میں تھا۔ انہوں نے ان سب کو لے کر آیتوں اور سورتوں کی اسی ترتیب کے ساتھ جس ترتیب کے مطابق انہیں لکھا گیا اور پڑھایا تھا ایک شیرازہ میں جمع کر دیا۔ اور حضرت عثمان نے جب وجوہ قرأت میں لوگوں کو اختلاف کرتے ہوئے دیکھا تو اس قرآن کو صحیح قرأت کے ساتھ جو عوضہ اخیرہ رسول کے مطابق تھی اور جس کی صحت میں مطلق شبہ نہ تھا نقل کر دیا تاکہ اختلافات قرأت رفع ہو جائیں۔

انہوں نے نہ ترتیب میں تاخیر کی نہ تقدیم کی نہ اس میں کسی تاویل کو دخل دیا۔ صرف قرأت میں لوگوں کے شبہ یا فساد کرنے سے قرآن کو محفوظ کر دیا۔

مصحف عثمانی پر اجماع

حضرت عثمان کے اس فعل سے اس وقت امت میں کسی فرد واحد نے بھی اختلاف نہیں کیا۔ قاضی ابو بکر نے لکھا ہے۔

حضرت علی کا قول تھا کہ اگر اس وقت میں خلیفہ ہوتا تو میں بھی وہی
کرتا جو عثمان نے کیا۔ کیونکہ اس کے سوا چارہ کیا تھا۔

الزام تحریق

بیان کیا جاتا ہے کہ مصحفِ اہلی کی نقل لینے کے بعد حضرت عثمان نے
بعض متفرق صحیفوں کو جو لوگوں کے پاس تھے اور صحیح قرأت کے مطابق
نہ تھے جلائے کا حکم دیدیا بعض فرقے اس کو حضرت عثمان کے معائب میں
بڑے خدو مد کے ساتھ بیان کرتے ہیں۔ اور ان پر تحریقِ قرآن کا الزام
لگاتے ہیں۔ لیکن عقل کے نزدیک اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان کا یہ فعل
نہایت مستحسن تھا۔ کیونکہ ان اجزاء سے اختلافِ قرأت کا اندیشہ تھا جس سے
کہ وہ امت کو بچانا چاہتے تھے۔ اس لئے ایسی حالت میں جب کہ باتفاق
صحابہ قرأت صحیحہ کے مطابق قرآن لکھ لیا گیا ان اختلافی مواد کا جلا دینا
امت پر بہت بڑا احسان تھا۔

عثمانی مصاحف موجود ہیں

۶ حضرت عثمان نے ایک ایک نقل مصر۔ کوفہ۔ بصرہ۔ مکہ۔ شام۔ یمن
اور بحرین کے مالوں کے پاس بھجوا دی اور لکھا کہ یہ نسخہ قرأت صحیحہ کے
مطابق لکھو دیا گیا ہے اسی قرأت کے ساتھ مسلمان قرآن کی تلاوت کریں
ایک نقل مدینہ میں خود اپنے پاس رکھ لی تھی۔ اس کا نام امام تھا۔ ۷
مصحفِ اہلی ۱۲۶ میں مروان کے ہاتھ سے کسی سفر میں ضائع ہو گیا

لیکن حضرت عثمان کے لکھائے ہوئے نسخے مکہ مدینہ دمشق اور فارس میں اب تک موجود ہیں۔ مدینہ کے نسخے کے آخر میں یہ یادداشت بھی ہے کہ یہ عثمان بنی کے حکم سے لکھا گیا۔ وہ نسخہ جس کا نام امام تھا اور جس کی تلاوت کرتے ہوئے حضرت عثمان قتل کئے گئے تھے وراثتاً بنی امیہ کے پاس رہا۔ اور ان کی خلافت کے ساتھ دمشق سے منتقل ہو کر اندلس میں چلا گیا۔ سرولیم میور نے لکھا ہے کہ وہ قرطبہ کی جامع مسجد میں موجود تھا۔ جب اسلامی سلطنت کو وہاں زوال ہوا تو مراکش کے دارالخلافہ فاس میں منتقل کیا گیا۔ تاریخ اور سیسی سے بھی اس کی سند ملتی ہے۔ اس نے جامع قرطبہ کی کیفیت بیان کرنے کے بعد ان رسومات کو بھی لکھا ہے جو اس قرآن کے متعلق وہاں ادا کی جاتی تھیں۔

ابن بطوطہ جس نے آٹھویں صدی ہجری میں سیاحی کی ہے لکھتا ہے کہ یہ مصحف جامع بصرہ میں موجود ہے۔ اور اس پر خلیفہ کے خون کے دبے اب تک نمایاں ہیں۔

اب بیان کیا جاتا ہے کہ روس کے قدیم دارالخلافہ ماسکو میں مسلمانوں نے ۱۹۰۶ء میں کتب خانہ قائم کیا ہے اس کے لئے بخارا سے کچھ کتابیں لائی گئی ہیں ان میں وہ امام بھی ہے۔ اس پر خون کے نشانات ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مصحف عثمانی کی جو نقلیں کی تھیں کہا جاتا ہے

کہ ان میں سے ایک مشہد علی میں محفوظ ہے اس پر ان کے دستخط بھی بنے ہوئے ہیں۔ قرآن کے چند اوراق جن کی نسبت مشہور ہے کہ حضرت علی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے ہیں لاہور کی شاہی مسجد کے گوشہ خانہ میں ہیں۔

رسم المخط

جس رسم المخط کے مطابق یہ مصاحف ابتدا میں لکھے گئے تھے اب تک مسلمان اسی طرح ان کو لکھتے چلے آتے ہیں۔ اس میں سوائے اس کے کچھ فرق نہیں آیا کہ پہلے آیتوں کی شکل (دین) تین نقطوں کی تھی اب وہ گول دائرہ کی صورت کر دی گئی ہے۔

صد اول میں نقطے بھی نہیں لگائے جاتے تھے نہ اعراب دئے جاتے تھے۔ اور امت کا تو اتر قرأت کافی سمجھا جاتا تھا۔ جب حدود اسلام زیادہ وسیع ہو گئے تو مزید احتیاط کے لئے حجاج بن یوسف نے نصر بن عاصم کاتب سے اس قسم کے مصاحف لکھائے جن میں نقطوں اور حرکتوں کا پورا پورا خیال رکھا گیا۔ اور اس وقت سے اس کی پابندی ہونے لگی۔ نیز ابتدا میں قرآن خط کوفی میں لکھا جاتا تھا۔ چوتھی صدی ہجری کے اوائل میں ابن مقبلہ وزیر نے جب خط نسخ کو درست کیا تو اس میں لکھا جانے لگا۔

شیعہ اور قرآن

فرقہ شیعہ کی ایک جماعت نے جب ان عقائد کو جو امامت اور ائمہ اہل بیت کے متعلق ان کو تلقین کئے گئے تھے قرآن میں نہ پایا اور نہ اپنے اماموں کے نام کی کوئی سورہ ان کو ملی تو انہوں نے کہہ دیا کہ قرآن ناقص ہے اور صحابہ نے اس میں سے کچھ اجزاء نکال ڈالے ہیں۔ لیکن جن کو کچھ بھی علم تھا انہوں نے تسلیم کیا کہ قرآن مجید ہر قسم کی نقص و زیادتیاں سے پاک ہے اور کوئی تغیر و تبدل اس میں واقع نہیں ہوا ہے۔

علامہ ابو جعفر محمد بن علی بن موسیٰ بابویہ قمی لکھتے ہیں۔

اعتقادنا فی القرآن انہ کلہم اللہ	ہمارا اعتقاد قرآن پاک کی نسبت یہ ہے
ووجیہ و تنزیلہ و کتابہ و انہ لا	کہ وہ اللہ کا کلام۔ اللہ کی وحی۔ اللہ کی
یاتیہ الباطل من بین یدیدہ ولا	تنزیل اور اللہ کی کتاب ہے۔ یقیناً
من خلفہ۔ و انہ لقصص الحق و	باطل نہ اس کے آگے سے اس میں
انہ لقول فصل وما ہو بالہزل	شامل ہو سکتا ہے نہ پچھلے سے اس میں
وان اللہ تبارک و تعالیٰ محدثہ	سچی باتیں ہیں اور کھری باتیں ہیں وہ
ومنزله و ربہ و حافظہ۔ وان	مناق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ اس کا پیدا
القرآن الذی انزلہ اللہ تعالیٰ	کرنے والا۔ امارتے مالار رب اور نگہبان
علی نبیہ محمد صلی اللہ علیہ	ہر وہ قرآن جس کو اللہ نے اپنے نبی محمد

وسلم هو ما بين الذفتين وهو
ما في ايدي الناس ليس بالكثير
من ذلك
(كتاب الاعتقاد قلمی)

صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنا تھا وہی ہے جو
اب دونوں دفتیوں میں ہے اور لوگوں
کے ہاتھوں میں ہے اس سے زیادہ
نہیں تھا۔

علامہ طبرسی نے تفسیر مجمع البیان میں شریف مرتضیٰ علم الہدیٰ کا قول
قل کیا ہے۔

ان القرآن كان على عهد رسول
الله صلى الله عليه وسلم مجموعاً
مولفاً على ما هو عليه الآن - و
استدل على ذلك بان القرآن
كان يدرس ويحفظ جميعه
في ذلك الزمان حتى عين جماعة
من الصحابة في حفظهم له -
وانه كان يعرض على النبي صلى
الله عليه وسلم ويتلى عليه
وان جماعة من الصحابة
مثل عبد الله بن مسعود وابي
بن كعب وغيرهما ختموا القرآن

حقیقت یہ ہے کہ قرآن رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم کے زمانہ میں اسی طرح مکمل اور
مرتب تھا جس طرح کہ اب ہے۔ اس
کی دلیل یہ ہے کہ اس زمانہ میں لوگ
پورا قرآن پڑھتے تھے اور حفظ کرتے
تھے۔ یہاں تک کہ ایک جماعت اسی کے
حفظ کرنے کے لئے مقرر کی گئی تھی۔ اور
جو لوگ یاد کرتے تھے وہ نبی صلی اللہ علیہ
وسلم کے پاس جا کر اس کو دہراتے تھے
اور سناتے تھے۔ صحابہ میں سے ایک جماعت
مثلاً عبد اللہ بن مسعود اور ابی بن کعب
وغیرہ نے کئی بار سارا قرآن نبی صلی اللہ

علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم علیٰ
 ختمات وکل ذالک یدل بادی فی تامل
 علی اندہ کان مجموعاً و مولفاً خیر مینتویہ
 و مبثوث وان من خالف ذالک
 من الامامیۃ و الحشویۃ لا یعتد بجلد
 فہم۔ فان الخلاف مضاف الی قوم
 من اصحاب الحدیث نقلوا اخباراً
 ضعیفۃ ظنوا صحتمہا۔ لایرجع بمثلہا
 عن المعلوم المقطوع صحتمہ
 (تفسیر مجمع البیان للطبرسی جلد ۱ صفحہ ۱۰۰)

علیہ وسلم کو سنایا۔ ان سب باتوں پر تھوڑا
 سا غور کرنے سے ظاہر ہو جاتا ہے کہ قرآن
 مکمل مدون اور مرتب تھا نہ کہ منتشر اور
 متفرق۔ امامیہ اور حشویہ میں سے جن
 لوگوں نے اس کے خلاف کہا ہے وہ
 کسی شمار قطار میں نہیں ہیں۔ کیونکہ یہ
 اختلاف ان چند اویانِ حدیث کی وجہ
 سے پیدا ہوا ہے جنہوں نے ضعیف روایتیں
 نقل کر کے ان کو صحیح خیال کر لیا یا سی
 روایتیں ایک قطعی اور یقینی اعتقاد کو زائل
 نہیں کر سکتیں۔

(ایمان)

علامہ محمد بن الحسن الحر العالی جو فرقہ امامیہ کے مشہور محدث ہیں ان کا قول ہے
 ہر کیسے تتبع آثار و تفحص تواریح و اخبار نمودہ بعلم یقینی میدانہ کہ قرآن
 در قایت و اعلیٰ درجہ تواتر بودہ۔ و آلا ف صحابہ حفظ و نقل میکردند آ نرا۔
 و در عہد رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم مجموع و مؤلف بود
 (شرح کافی ملا صادق صفحہ ۷۶ جلد ۲ مطبوعہ قسطنطنیہ)

ملا محسن تفسیر صافی میں لکھتے ہیں۔

قد روی جماعۃ من اصحابنا و قوم ہمارے فرقہ کی ایک جماعت اور عوام

من المحشوية العامة ان في القرآن
تغيرا ونقصانا. والصحيح من مذ^{ہب}
اصحابنا خلافه. وبلغت حدالم
تبلغه في ما ذكرنا لان القرآن
معجزة النبوة وماخذ العلوم الشر^{عیۃ}
والاحكام الدينية. وعلماء
المسلمين قد بلغوا في حفظه و
حمايته الغاية حتى عرفوا كل
شئ اختلف فيه من اعرابه
وقراته وحروفه واياته فكيف
يجوز ان يكون مغيرا او منقوصا
مع العناية الصادقة والضبط
الشدید

حشویہ نے رعایت کی ہے کہ قرآن میں
تغیر اور نقصان ہے۔ لیکن صحیح مذہب
ہماری اصحاب کا اس کے خلاف ہے جو
اس سے بھی زیادہ ہے جتنا ہم نے بیان
کیا۔ کیونکہ قرآن نبوت کا معجزہ ہے علوم
شرعیہ اور احکام دینیہ کا ماخذ ہے علماء
اسلام اس کی حفاظت اور حمایت حد سے
زیادہ کرتے آئے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے
اعراب قرات حروف اور آیات کے تمام
اختلافات کو انہوں نے منضبط کر لیا۔ پھر
باوجود اس قدر ضبط شدید اور انتہائی
توجہ کے یہ کیونکر ہو سکتا تھا کہ قرآن میں
تبدیلی یا کمی ہو جاتی۔

سید العلماء مولانا سید حسین لکھتے ہیں۔

وبیان امرثانی یعنی سہولت اثبات تو اترقرآن مجید و مصحف حمید بنا بر
طریقہ اہل حق پس ازیں راہست کہ زمانہ اثنا عشر علیہم السلام امتداد
کشید و ازسیرت و عمل حضرت ددیں مدد متطا و بلہ بجز تسلیم قرآنیت ۔۔۔۔
ما بین الدفتیں امرے دیگر بظہور نہ پیوستہ۔ بلکہ در کتابت و تلاوت و اظہار

فضل و کرامت و بیان فضائل و مشوبات سُور و آیات و مقام احتجاج
بخصوص و استناد بر احکام و اعدا بعد و اجد مدار کار برین مصاحف بود
و تعویل و اعتماد بر آں نمودہ اند۔

اس کے بعد پھر لکھتے ہیں۔

ولم یزل الروایة عنهم ونقلة الاثنا
منہم صلوات اللہ علیہم کا نو امتفقین
و مجتہدین علی نقل ذالک۔ وقد
تعاضدت کلماتہم و تواترت
روایاتہم علی ہذا المعنی بحیث
لا یشک فیہ ولا یریب یعتربہ۔
واذا ثبت اعتبار الائمة علیہم
السلام علی ذالک و استنادہم
ور کونہم الیہ فقد زال احتمال
الزیادة والالحاق و توہم الاختلا
وقولہم و تقریرہم و فعلہم حجة
بالاتفاق۔

ہیشہ سے رواۃ اور ناقلین ائمہ صلوات
اللہ علیہم سے بالاتفاق اور بالاجتماع
اسی قرآن کو نقل کرتے ہوئے چلے آئے
ہیں۔ اور اس امر پر ان کی اس قدر
قوی اور متواتر روایتیں ہیں کہ ان میں
شک ہو سکتا ہے نہ شبہ کیا جاسکتا ہو۔
اور جب ائمہ علیہم السلام کا اسی قرآن
پر اعتبار کرنا اسی کو سند سمجھنا اور اسی
پر مدار کار رکھنا ثابت ہو گیا تو اس کے
متعلق زیادتی اور الحاق کا احتمال اور
جھوٹ کا وہم بالکل ناکل ہو گیا۔ اس لئے
کہ ائمہ کا قول و فعل اور بیان بالاتفاق

د مدتیہ سلطانہ مطبوعہ شاہی بابیم صفحہ ۱۸۶-۸۶
جست ہے۔

ملا صادق نے شرح کلینی میں لکھا ہے۔

یظہر القرآن بہذا الترتیب عند
ظہور الامام الثانی عشر ویشہرہ
قائمی نور اللہ شوستری مصائب النواصب میں لکھتے ہیں۔

مانسب الی الشیعة الامامیة
بوقوع التفریق فی القرآن لیس مہا
قال بہ جمہور الامامیة انما قال
بہ شذوذة قليلة لا اعتد ادبہم
فیما بینہم
مجتہد العصر مولانا سید ولد دار علی قرآن کے مکمل ہونے کے دلائل لکھنے کے
بعد کہتے ہیں۔

فہذا الذی تلونا علیک من کلام
الاصحاب بشہد علی ابین الوجہ
ان ما قلنا بتواتر ما بین الدفتین
من وقت الرسول صلی اللہ علیہ
وسلم الی زماننا ہذا ہوا المطابق
للحق والصواب

(عماد الاسلام جلد سوم صفحہ ۱۳۲)

یہ ان علماء امامیہ کے اقوال ہیں جو اہل تشیع میں مقبول اور مستند ہیں۔ اور

سلف کے یہ اقوال جو ہم نے بیان کئے
ہناہت برہمی طور پر اس امر کی شہادت
دیتے ہیں کہ ہم نے جو یہ کہہ لیا ہے کہ قرآن جو
دونوں دفتوں میں موجود ہے اس کا تواتر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے
ہمارے زمانہ تک ثابت ہے بالکل ٹھیک
اور حق کے مطابق ہے۔

ان اقوال میں نہ کسی تاویل کی گنجائش ہے نہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان لوگوں نے تقیہ سے کہا ہے۔ کیونکہ ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہوں نے علماء اہل سنت کی تردید میں رسائل لکھے ہیں ان کی نسبت تقیہ کا گمان نہیں کیا جاسکتا۔ اور ابو جعفر قتی کی کتاب الاعتقاد اور مطامین کی تفسیر صافی یہ دونوں کتابیں شیعہ کے نصاب درس میں داخل ہیں۔ اس لئے یہ خیال نہیں ہو سکتا کہ وہ اپنے عقیدہ کے خلاف اپنے فرقہ کو تعلیم دیں گے۔

اختلافات قرأت

اس امر میں مطلق اختلاف نہیں ہے اور نہ اس سے انکار کیا جاسکتا ہے کہ قرآن اول سے آخر تک بالکل متواتر ہے جہد نبوت سے لے کر آج تک اس کے اس قدر ماقظار ہے ہیں کہ اس میں ایک حرکت بلکہ ایک نقطہ کا بھی فرق نہ واقع ہو سکا۔ نیز اس کی وضع اور اس کی ترتیب سب متواتر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ باوجود اس کے بسم اللہ الرحمن الرحیم کے قرآن کی آیت ہونے پر بہت سی حدیثیں شاہد ہیں لیکن چونکہ وہ متواتر نہیں ہیں اس لئے اس کو آیت نہیں شمار کرتے صرف امام شافعی ایک ایسے شخص ہیں جنہوں نے ان حدیثوں اور تعامل امت کے اجتماع سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ اس میں تو اترا معنوی ہے اس لئے انہوں نے بسم اللہ کو بھی قرآن کی آیت کہہ دیا ہے۔ قرأت قرآن میں جس قدر اختلافات واقع ہوئے ان کے چند وجوہ ہیں جن میں سے ایک بڑی وجہ رسم الخط ہے۔

عرب میں گو خاص خاص لوگ جو ملوک یا صنادید کے پاس بڑے بڑے جہدوں پر ملازم تھے نہایت عمدہ عربی خط لکھتے تھے لیکن عام طور پر اہل عرب لکھنا نہیں جانتے تھے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ ان کی زندگی میں لکھنے کی ضرورت کم پڑتی تھی۔ ملاوہ بریں وہ شجاعت اور فیاضی وغیرہ کو انسان کا جوہر اور معیار شرافت سمجھتے تھے اور کتابت ان کے نزدیک ایک پیشہ

خیال کیا جاتا تھا جو نوکروں اور غلاموں کا شیوہ تھا۔ البتہ وہ شرفا رہی جن کی تجارت کے کاروبار وسیع ہوتے تھے ضرورتاً کچھ لکھنا پڑھنا سیکھ لیتے تھے تاکہ اپنا حساب وغیرہ رکھ سکیں۔ لیکن اکثر وہ نہ اچھی طرح قواعد کتابت سے واقف ہوتے تھے نہ ان کا خط صاف ہوتا تھا۔

آنحضرتؐ نے جن صحابہ کرام سے قرآن لکھوایا تھا ان میں سے بعض اسی قسم کا معمولی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کی کتابت میں کہیں کہیں کلی قانون ملحوظ نہیں رکھا گیا۔ مثلاً قال کو ایک جگہ الف سے لکھا ہے تو دوسری جگہ قل بلا الف کے ہے۔ سورۃ نمل میں (لَاذَّبْحَنَّهُ) کو ایک غیر ضروری الف زیادہ کر کے (لَا اذَّبْحَنَّهُ) لکھا ہے۔ اسی طرح (بایید) کو (بایید) (عَالِيَهُمْ) کو (عَلِيَهُمْ) وغیرہ علاوہ بریں اس زمانہ میں تحریر میں نقطوں کے لگانے کا دستور نہ تھا اور حرکتیں بھی نہ تھیں۔ حضرت ابو بکرؓ نے جب قرآن کو جمع کرایا تو انہوں نے بھی بعینہ اسی طرح اس کو نقل کرایا جس طرح وہ عہد نبوت میں لکھا گیا تھا۔

وجہ اختلاف

رسم الخط کے متعلق اس قدر لکھنے کے بعد یہ آسانی سے سمجھ میں آسکتا ہے کہ اختلاف قرأت کا ایک اہم سبب یہی ہے۔ اس کے علاوہ اور بھی وجوہ ہیں ہم سب کو تفصیل کے ساتھ لکھتے ہیں۔

(۱) نقطہ نہ ہونے کی وجہ سے اہل عرب کو تو کوئی دشواری پیش نہیں

آئی لیکن اہل عجم نے کہیں کہیں غلطی کھائی۔ مثلاً یعلمون کو تعلمون پڑھا۔
 (۲) حروف نہ ہونے کے سبب سے معروف کو مجهول اور مجهول کو معروف
 سمجھا بعض مقامات پر دوہم شکل لفظوں میں امتیاز نہ کیا۔ مثلاً رُوح کو رُوح
 پڑھا۔

(۳) رسم الخط سے دھوکا کھایا۔ جیسے یُخَدِ عُون کو یُخَدِ عُون عَلَیْہِم
 کو عَلَیْہِم لِمَسْتُمْ کو لِمَسْتُمْ۔ یَطْہَرْنَ کو یَطْہَرْنَ پڑھا۔
 (۴) جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں لب و لہجہ کے اختلاف کی وجہ
 سے حروف کی کیفیت ادا میں کہیں کہیں اختلافات پڑ گئے تھے۔ کوئی
 ل۔ ر اور ز۔ ذ میں امتیاز نہیں کرتا تھا۔ کہیں ع کوق اور ق کو گان بولتے
 تھے۔ عہد نبوت میں ہر ایک قبیلہ کو جس طرح وہ قرآن پڑھ سکتا ہو پڑھنے
 کی اجازت دی گئی تھی۔ اور اس معاملہ میں کوئی سختی روا نہیں رکھی گئی تھی۔
 صحیح بخاری میں روایت ہے

حضرت عمر مسجد میں نماز پڑھ رہے تھے ہشام بن حکیم قبیلہ بن
 اسد کے تھے وہاں سورہ فرقان پڑھنے لگے۔ بعض حروف کو انہوں
 نے دوسرے طور پر ادا کیا۔ حضرت عمر جنہوں نے اب تک اس قسم
 کی قرأت نہیں سنی تھی نماز سے فارغ ہو کر ان کے پاس گئے اور
 کہا کہ تم قرآن کس طرح پڑھ رہے ہو۔ انہوں نے کہا کہ مجھ کو رسول
 اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی طرح پڑھا یا ہے۔ حضرت عمر یہ سن کر

امن کی گردن میں چادر ڈال کر آنحضرتؐ کے پاس آن کو پکڑ لائے اور کہا کہ یہ قرآن غلط پڑھتا ہے اور کہتا ہے کہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی طرح سیکھا ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اچھا چھوڑ دو۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کو حکم دیا کہ سورہ فرقان سناؤ۔ انہوں نے سنائی فرمایا کہ ٹھیک ہے۔ پھر شام سے کہا کہ تم سناؤ۔ انہوں نے بھی سنائی اور اسی طرح وہ حروف اول کے جس طرح مسجد میں کئے تھے۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم نے بھی ٹھیک پڑھی۔ پھر حضرت عمرؓ کی طرف مخاطب ہو کر کہا کہ **سَأَلْتُ الْقُرْآنَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَيَّ سَبْعَةَ أَحْرَفٍ** یعنی قرآن سات پہلو سے آتا گیا ہے جس پہلو سے آسان معلوم ہو پڑھو۔

یہی وجوہات ہیں جن سے قرأت میں اختلافات واقع ہو گئے تھے۔ مگر احمدؒ کہ ان اختلافات کا قرآن پر مطلق اثر نہیں پڑا۔ کیونکہ حضرت عثمانؓ نے ائمہ قرار اور صحابہ کبار کی موجودگی میں ان کا قلع قمع کر کے تمام امت کو صحیح و ثابت قرأت پر مجتمع کر دیا۔

کتابت قرآن میں انہوں نے بھی بلا کسی کمی بیشی کے مصحف اصلی کے رسم الخط کو بحال رکھا۔ لیکن پڑھنے میں سب کو ایک قرأت کا پابند کر دیا جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عرصہٴ اخیرہ کے مطابق تھی۔ علامہ زحشری کشاف ہیں لکھتے ہیں۔

گو قرآن کے رسم الخط میں بعض الفاظ خلافت قیاس لکھے گئے ہیں

لیکن ان سے کوئی خرابی واقع نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ ان کا تلفظ سبھی جانتے ہیں۔ اور یہ اہل اسلام کا کمال تحفظ ہے کہ باوجود اس کے کہ ان چند الفاظ کے صحیح کر دینے سے کوئی نقصان نہ تھا لیکن انہوں نے یہ نہیں کیا اور جس طرح صحابہ کا لکھا ہوا پایا اسی طرح آئندہ نسلوں کو پہنچا لیا۔ مورخ ابن خلدون نے لکھا ہے۔

قرآت کے اختلافات قرآن کے قواعد میں مطلق غلط انداز نہیں ہو سکے کیونکہ ان اختلافات کا مرجع کیفیت ادائے حروف تھا۔

الغرض کسی طرح پر بھی قرآن میں ایک نقطہ کا بھی فرق نہیں آنے پایا اور آج تمام دنیا میں اس سرے سے جہاں کہ سورج نکلتا ہے اس سرے تک جہاں کہ وہ غروب ہوتا ہے ایک ہی قرآن بلا کسی فرق کے متداول مقبول اور معمول ہے۔

تدوین فن قرآت

حروف کے مخارج اور کیفیت ادا میں جو اختلافات پائے گئے بعض لوگوں نے ان کو منضبط کرنا شروع کیا۔ ہر بہر اختلاف کو بسلسلہ اساتذت کرتے تھے۔ اس طرح پر انہوں نے جزی سے جزی اختلافات نقطوں اور حرکتوں تک کے جمع کر لئے۔ مقصد یہ تھا کہ کل اختلافات بطور ^{مختص} اودا کے تحریر میں آجائیں تاکہ پھر کوئی اختلاف نہ پیدا کر سکے اور قرآن بالکل محفوظ رہے۔

نیکن بعض جاہل اور خود غرض لوگوں نے اس میں جھوٹی روایتیں گھڑ کر شامل کرتی شروع کیں جن کے مختلف وجوہات ہوتے تھے۔

(۱) کبھی محض اپنی وسعت معلومات کا اظہار جیسے یعقوب عطار یا ابن شنبوذ بغدادی تھے کہ عجیب و غریب قرآتیں روایت کر کے لوگوں کے دلوں پر اپنے علم کا سکہ جانا چاہتے تھے۔ اور اپنے آپ کو پیشوا بنانے کی تدبیر کرتے تھے لیکن قرآن کی حفاظت کے لئے ہر زمانہ میں تائید الہی کے شہاب ثاقب اس کے ساتھ لگے ہوئے ہیں یہ بد بخت بجائے کسی نفع پانے کے اٹا نقصان اٹھاتے تھے چنانچہ یعقوب کو خود خلیفہ وقت نے اور ابن شنبوذ کو ابن مقلہ وزیر نے کوڑوں سے خوب پٹوایا تب ان دونوں نے اپنے کذب کا اقرار کیا اور آئندہ کے لئے اپنی اس ناشائستہ حرکت سے توبہ کی۔

(۲) کبھی بعض لوگ اپنے عقیدہ کی حمایت کے لئے اس قسم کی روایتیں

گھڑتے تھے۔ مثلاً اس آیت میں

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ
مِنْ رَبِّكَ ۗ

اے رسول جو کچھ تیرے رب کی طرف سے
تیری پاس آتا گیا ہے اسے لوگوں کو پہنچا دے

(فی علی) کا اضافہ کیا۔ یعنی جو کچھ علی کے بارہ میں آتا گیا ہے اس کو پہنچا دے یہ روایت محض شیعیت کی حمایت کے لئے تراشی گئی ہے۔ کیونکہ اس کے سلسلہ اسناد میں شیعہ ہیں۔

(۳) کبھی راوی کو غلط فہمی ہو جاتی تھی۔ وہ اپنے استاد سے قرآن کی

آیت مننا تھا۔ استاد کسی لفظ کی تفسیر بھی کر دیتا تھا راوی بوجہ مافظ نہ ہونے کے اس کو آیت کا جزو سمجھ کر روایت کرتا تھا۔

الغرض انہیں وجوہات سے اختلافاتِ قرأت کی روایتیں زیادہ بڑھ گئیں۔ یہ دیکھ کر ائمہ امت متعدد ہوئے اور انہوں نے صحیح وضعیف مدرج اور ممنوع ہر قسم کی روایتوں کو چھانٹ کر الگ الگ کر دیا۔ اور اس کے اصول اور ضوابط مقرر کر کے اس کو ایک فن بنا دیا جس میں آج بھی سینکڑوں کتابیں موجود ہیں۔ اور ان میں جزی سے جزی اختلافاتِ نقطوں اور حرکتوں تک کے مسلسل بالاسناد منضبط ہیں۔

اختلافاتِ قرأت کے متعلق مزید تفصیل غیر ضروری ہے۔ کیونکہ جس عہد اور مناسب وقت پر ان کا استیصال ہونا چاہئے تھا الحمد للہ کہ ویسے ہی وقت پر ہو گیا۔ اور حضرت عثمان نے صدر اول ہی میں باجماع صحابہ ساری امت کو ایک قرأت پر قائم کر دیا۔

تجوید قرأت

تجوید کے معنی یہ ہیں کہ قرآن کی تلاوت میں حروف اپنے اصلی مخارج سے صحت اور خوبی کے ساتھ نکلے جائیں۔ انحضرتؐ اس کی بڑی تاکید فرمایا کرتے تھے۔ اور لوگوں کو حکم دیا کرتے تھے کہ عبد اللہ بن مسعود کی تجوید کو مطابق پڑھو۔ کیونکہ وہ حروف کو نہایت عمدگی کے ساتھ ان کے مخارج سے نکالتے تھے۔ اور ترتیل کے ساتھ تلاوت کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں حکم دیا ہے۔

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلًا ۝۳۳ قرآن کو ٹھیک ٹھیک کے پڑھا کرو

صحابہ اور تابعین تک قرآن سادگی اور ترتیل کے ساتھ پڑھا جاتا تھا۔ اور اسی کو تجوید کہتے تھے۔ لیکن زمانہ مابعد میں اس کی نئی نئی صورتیں نکالی گئیں۔ اس کی ابتدا یوں ہوئی کہ عربی کا یہ شعر بہت گایا جاتا تھا۔
 أَمَا الْقَطَاةُ فَإِنَّهُنَّ سَوَّوْنَ الْعُتْمَا
 نَعْتَا يُؤْفِقُ عِنْدِي لِبَعْضِ مَا فِيهَا
 اسی کے لئے پر ایک شخص نے اس آیت کو گانا شروع کیا۔

أَمَا السَّفِينَةُ فَكَانَتْ لِمَسْلُكِينَ يَعْمَلُونَ فِي الْبَحْرِ ۝۱۸

عوام نے اس کو پسند کیا۔ پھر اور بھی اس کا دائرہ وسیع ہوتا گیا۔ یہاں تک کہ تجوید نے بالکل غنا کی شکل اختیار کر لی۔ اور اس کے مختلف لہجے قرار پائے۔

(۱) ترعید ہر ایک حرف اور لفظ نکالتے وقت لرزہ کا اظہار کرنا۔ جیسے کوئی خوف یا سردی سے کانپ رہا ہو۔

(۲) ترقیص۔ سکون کی جگہ بظاہر سکون کا اظہار کرتے ہوئے جھٹکے سے آگے بڑھ جانا۔ جیسے معلوم ہو کہ کوئی چیز ناہنجی ہوئی نکل گئی۔

(۳) تطریب۔ ترنم اور نغمہ کے ساتھ پڑھنا۔ جہاں مد نہ ہو وہاں بھی کھینچنا اور جہاں ہو وہاں اور بڑھا دینا۔

(۴) تخمین۔ اس طرح پڑھنا جس سے رنج ظاہر ہو۔ اور معلوم ہو کہ پڑھنے والا اب روتا ہے۔ اس سے زیادہ تر خشوع اور خضوع کا اظہار مقصود ہے۔ ایک صورت یہ بھی ہے کہ کئی آدمی مل کر ایک ساتھ پڑھتے ہیں۔ اور آواز کو برابر رکھنے کے لئے الفاظ کو کاٹ دیتے ہیں۔ مثلاً اقل یعلمون کو اقل یعلمون۔ امنوا کو امن کہہ دیتے ہیں۔

لیکن یہ تمام صورتیں تجوید القرآن کی بہ نسبت تعریف القرآن کہلانے کے زیادہ مستحق ہیں۔ اصلی تجوید صرف یہ ہے کہ قرآن ٹھہر ٹھہر کر صاف صاف پڑھا جائے اور حروف صحت کے ساتھ اول کئے جائیں۔

اعجاز قرآن

معجزہ اس خلاف معمول امر کو کہتے ہیں جو باادہ الہی نبی کے توسط سے صادر ہوا اور کوئی اس کا مقابلہ نہ کر سکے۔ اس کی دو شکلیں ہوتی ہیں۔

(۱) حسی۔ یعنی وہ جو ان آنکھوں سے نظر آئے جو سر میں اللہ تعالیٰ نے لگائی ہیں۔ جیسے عصائے موسیٰ۔ پید بیضا۔ ناقہ صالح۔ یا انڈھوں اور پاپیوں کو اچھا کر دینا وغیرہ۔

(۲) عقلی۔ جو چشم بصیرت سے نظر آئے۔ جیسے اعجاز قرآن۔

نبی اسرائیل میں چونکہ نازک خیالی اور باریک اور لطیف معانی کا ذوق نہ تھا۔ اس لئے انبیاء نبی اسرائیل کو جو معجزے دئے گئے وہ زیادہ حسی تھے۔ لیکن وہ قوم جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہوئے فصاحت اور بلاغت کی دل دادہ اور فطین و ذکی تھی۔ اس لئے آنحضرتؐ کو سب سے بڑا معجزہ جو عطا ہوا۔ یعنی قرآن وہ عقلی ہے۔ بخاری میں روایت ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ ہر ایک نبی کو وہی معجزے دئے گئے جو اس کی قوم اور امت کے مناسب حال تھے۔ اور محمد پر جو وحی اللہ کی طرف سے نازل ہوتی ہے وہی معجزہ ہے۔

انبیاء سابقین کے معجزے چونکہ حسی تھے اس لئے وہ ان کے ساتھ ہی ختم ہو گئے لیکن قرآن کا اعجاز جب تک کہ وہ موجود ہے یعنی قیامت

تک مستمر رہے گا۔

دلائل اعجاز

قرآن کے معجزہ ہونے کی دلیلیں بہت سی ہیں۔ لیکن اس موقع پر ہم صرف سات کھلی ہوئی دلیلیں جن سے ایک غیر متعصب اور حق جو شخص کی تسلی ہو سکتی ہے لکھتے ہیں۔

(۱) تحدی

قرآن کے معجزہ ہونے کی پہلی دلیل یہ ہے کہ اس نے خود صاف صاف نفلوں میں ان کفار سے جو اسی ملک کے رہنے والے اور اسی زبان کے بولنے والے تھے جس میں قرآن نازل ہوا۔ اور جن کو اپنی فصاحت اور بلاغت پر بڑا ناز تھا اور آج تک بھی دنیا ان کی زبان آوری کو تسلیم کرتی ہے بار بار تقاضا کیا کہ قرآن کے مثل یہ کوئی سورہ بنا لائیں۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِي رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا
عَلَىٰ عَبْدِنَا فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّثْلِهِ
وَاذْعُوْا شُهَدَاءَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۗ اِنْ لَّمْ
تَفْعَلُوْا وَاَكُنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّ السَّآءَ
الَّتِي وُقُوْدُهَا النَّاسُ وَالْحِجَابَةُ ۗ

ہم نے جو کلام اپنے بندے محمد پر اتارا جو
اگر اس میں تم کو کچھ شبہ ہے تو تم اس جیسی
کوئی سورہ بنا لاؤ اور اللہ کے سوا جس کو
چاہو اپنی مدد کے لئے بلا لو اگر سچے ہو اور
جو ایسا نہ کر سکو۔ اور ہرگز نہ کر سکو گے تو پھر
اس آگ سو ڈر جس کا ایندھن باقی اور
پتھر ہیں۔

یہاں تک کہ دیا کہ ایک سورہ نہیں اگر تم سچے ہو تو ایک بات ہی قرآن کے
امان کی لکھ کر لاؤ۔

فَلْيَأْتُوا بِالْحَدِيثِ مِثْلِهِ إِنْ كَانُوا
صَادِقِينَ ﴿۳۳﴾ بات ہی بنا لائیں۔

دوسری آیت میں صاف صاف اعلان کر دیا۔

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْإِنْسُ وَالْجِنُّ
عَلَىٰ أَنْ يَأْتُوا بِمِثْلِ هَذَا الْقُرْآنِ لَا
يَأْتُونَ بِمِثْلِهِ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ
ظَهِيرًا ﴿۳۴﴾ کھدے کہ اگر سارے آدمی اور جن مجتمع ہو کہ
بھی اس قرآن جیسا بتانا چاہیں تو نہیں
بنا سکتے۔ گو وہ ایک دوسرے کے مددگار
بھی ہوں۔

آخر اہل عرب باوجود اپنی کمال طلاقت لسانی اور اسلام اور قرآن کی
دشمنی کے بھی ایسا کرنے سے عاجز رہے۔ اور قرآن کا دعویٰ سچا تھا سچ ہو کے
رہا۔ چنانچہ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ ان مخاطبین میں سے کسی کی ہمت
تک نہ پڑی کہ اس کے مقابلہ کی کوشش بھی کرتا۔
جا حظ جو علوم ادبیہ کا امام ہے لکھتا ہے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم اس قوم میں مبعوث ہوئے جو نہایت زبردست
شاعر، فصاحت و بلاغت کی شیدائی اور اپنی طلاقت پر تاناں تھی۔
آنحضرتؐ نے ان کو توحید کی طرف بلایا۔ سات دن اور شام صبح ان
کو قرآن سُناتے اور تمام محبت کرتے رہتے تھے۔ اس پر بھی جب

انہوں نے نہ مانا تو کہا گیا کہ اگر تم کو اس کے کلام الہی ہونے میں شک ہے تو کوئی سودہ یا کوئی آیت ہی اس قسم کی بنا لاؤ۔ مگر وہ عاجز رہے۔

وہ دشمنی سے قرآن کو کہتے تھے کہ اگلوں کا افسانہ ہے۔ کبھی جادو کہتے تھے کبھی شعر قرار دیتے تھے۔ لڑائیوں میں ان کی بیٹیاں اور بیویاں گرفتار ہوتی تھیں۔ وہ خود مارے اور پکڑے جاتے تھے۔ یہ سب ذلتیں گوارا کرتے تھے لیکن قرآن کے معارضہ میں کوئی کلام پیش کر کے اس کے دعوے کو جھوٹا نہیں کر سکتے تھے۔ حالانکہ اس وقت ان میں بڑے بڑے شعرا اور خطباء موجود تھے جن کی فصاحت و بلاغ مشہور اور مسلم تھی۔

اس سے اس امر میں مطلق شبہ نہیں رہتا کہ قرآن معجزہ ہے اور انسانی طاقت سے بالاتر ہے۔

(۲) اخبار بالغیب

قرآن اس لئے بھی معجزہ ہے کہ اس میں غیب کی باتیں بیان کی گئی ہیں جن کا علم انسانی قدرت سے باہر ہے۔ مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کا قصہ بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ کہتا ہے۔

تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ ۖ مَا كُنْتَ تَعْلَمُهَا أَنْتَ
یہ غیب کی خبر ہے جس کو بذریعہ وحی کے ہم
تیرے پاس بھیجتے ہیں۔ اے محمدؐ نہ اس سے

وَلَا قَوْمًا مِّنْ قَبْلِ هٰذَا ۗ اَللّٰهُ
 پہلے تو اس کو جانتا تھا نہ تیری قوم جانتی تھی
 اس آیت کا اعلان کیا گیا۔ کیا قوم میں سے کوئی انکار کے لئے کھڑا ہوا اور
 اس نے کہا کہ میں اس کو جانتا تھا!

اسی طرح حضرت یوسف اور حضرت مریم کے حالات بیان کرنے کے
 بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ غیب کی خبریں ہیں جن سے تم واقف نہ تھے۔
 ہم بذریعہ وحی کے ان کو بتلاتے ہیں۔ اور تمام ملک کے سامنے یہ آیتیں سنانی
 گئیں۔ کسی نے ان پر کچھ چون و چرا کی؟

پھر یہ قصے ایسی اصلیت اور واقعیت کے ساتھ بیان کئے گئے ہیں
 کہ پہلی آسمانی کتابوں سے مطابق اور ان سے بدرجہا عمدگی کے ساتھ ادا ہوئے
 ہیں۔ بلکہ گزشتہ کتب میں جو تعریفیات واقع ہو گئی تھیں ان کی اصلاح بھی
 کر دی گئی۔

مدینہ میں منافقین کی ایک جماعت تھی جو دہ پردہ اسلام اور مسلمانوں
 کی دشمن تھی۔ وہ جو غرضی منصوبے اسلام کے خلاف باندھتی تھی یا چھپ چھپ
 کر مشورے اور ساز و باز کرتی تھی قرآن کی آیتیں ان کو طشت از بام کر دیتی تھی
 اور منافقین کا پردہ فاش ہو جاتا تھا اور وہ آیتیں ایسی سچی ثابت ہوتی تھیں
 کہ وہ انکار کی جرأت نہیں کر سکتے تھے۔

اس کے علاوہ قرآن نے پیغمبر اور مسلمانوں سے آئندہ زمانہ کے لئے
 سیکڑوں وعدے کئے اور وہ سب کے سب پورے ہوئے۔ مثلاً

لَتَدْخُلَنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ
 اِنْ شَاءَ اللَّهُ اٰمِنِيْنَ ۳۸

تم لوگ انشا اللہ چین سے مسجد حرم میں
 داخل ہو گے۔

جس وقت یہ وعدہ ہوا تھا کوئی یقین نہیں کر سکتا تھا کہ مسلمان قریش پر
 غلبہ پا جائیں گے اور مکہ میں داخل ہوں گے لیکن بہت جلد یہ وعدہ پورا
 ہو گیا۔ اور مکہ میں امن کے ساتھ مسلمان داخل ہوئے۔ کوئی خونریزی بھی
 نہ ہوئی۔

وَعَدَ اللَّهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ
 عَمَلًا وَّصٰلِحٰتٍ لَّيْسَ لَكُمْ خِلَافَتُهُمْ
 فِي الْاَرْضِ كَمَا اَسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ
 مِنْ قَبْلِهِمْ مِنْ وَكِيْلِيْنَ لَهُمْ دِيْنُهُمْ
 الَّذِيْ اٰزْتَضٰ لَهُمْ وَلِيْبِدْلَتِهِمْ
 مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اٰمَنًا ۳۹

تم میں سے جو مومن نلوکار ہیں ان سے
 اللہ نے وعدہ کر رکھا ہے کہ وہ ضرور انہیں
 دنیا میں خلافت دے گا جیسے ان لوگوں
 کو خلافت دی جمان سے پہلے ہو کر سے
 ہیں اور جس دین کو ان کے لئے پسند کیا
 ہے اسی قومی کرے گا اور ان پر جو خوف
 چھایا ہوا ہے اس کو امن سے بدل دے گا۔

ایک مٹھی بھر مسلمانوں کی جماعت اور ان سے اتنا بڑا وعدہ۔ لیکن نتیجہ
 کیا ہوا۔ تاریخ اٹھا کر پڑھو۔ خود آنحضرت کی زندگی ہی میں سارا عرب اسلامی
 حکومت میں آ گیا۔ اور اُس کے بعد خلفاء راشدین کے عہد میں شام مصر
 افریقہ۔ ایران اور خراساں وغیرہ سب اسلامی علم کے نیچے آ گئے۔ اور
 دین حق کی سطوت تمام عالم میں قائم ہو گئی۔ اور خوف کے بجائے

امن نصیب ہوا۔

خود قرآن کے متعلق ارشاد ہوا کہ ہمیں نے اس کو اتارا ہے اور ہمیں اس کے نگہبان ہیں۔ اس میں کوئی تغیر و تبدل نہیں کر سکتا۔

وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَ
عَدْلًا لَا مَبْدَلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ
اور صدق اور عدل کی روسی تیرے رب کی
کلمات پوری ہیں کوئی ان کا بدلہ ملا نہیں
باوجود ملاحظہ اور قراصلہ کی کثرت۔ سطوت اور کوشش کے اس میں

ایک حرف کی بھی تبدیلی نہ ہو سکی۔

آنحضرتؐ سے وعدہ فرمایا۔

إِنَّا كَفَيْتَكَ الْمُسْتَهْزِئِينَ ۚ
ہم تیری طرف سے ٹھٹھو بادوں کو لے کافی ہیں

مکہ میں ایک جماعت تھی جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا مذاق اڑاتی تھی اور آپ کے اوپر بیہودہ آوازے کستی تھی۔ جس سے آپ کو رنج ہوتا تھا جس وقت یہ آیت نازل ہوئی آپ نے اپنے اصحاب کو خوش خبری سنائی کہ اب اللہ نے ان شریروں کی اذیتا سے مجھے بچا دیا۔ چنانچہ وہ سب کے سب مختلف قسم کی بلاؤں اور تکلیفوں سے ہلاک ہو گئے۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ بھی فرما دیا۔

وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۚ
اور اللہ تجھ کو آدمیوں سے محفوظ رکھے گا۔

باوجود اس کے کہ بہت سے جانی دشمن آپ کے ہلاک کرنے کے ارادہ سے کئی بار آئے۔ لیکن کچھ نہ کر سکے۔ بعض نے موقعہ بھی پایا۔ تلوار بھی کھینچ لی لیکن

ہاتھ نہ چل سکا۔

ان وعدوں کے علاوہ بہت سی پیشین گوئیاں بھی قرآن میں کی گئیں جو

پوری ہوئیں۔ مثلاً

سَتَدْعُونَ إِلَى قَوْمٍ آوَلِيَّ بَاسٍ ان لوگوں سے کہو کہ عنقریب تم ایک جنگ
شَدِيدٍ يَدْعَاؤُهُمْ أَوتَيْسَلِمُونَ قوم سے لڑنے کے لئے بلائے جاؤ گے اور
اُن سے لڑو گے یہاں تک کہ وہ اسلام لائیں

حدیبیہ کے سفر میں جو مسلمان بدو شریک نہیں ہوئے تھے اور اپنے پیچھے
رہ جانے کی سعادت میں بہانے تراشتے تھے ان کو مخاطب کر کے کہا گیا کہ تم
لوگ ایک سخت جنگ اور قوم سے لڑنے کے لئے عنقریب بلائے جاؤ گے
اور ان سے یہاں تک تم کو لڑنا ہوگا کہ وہ مسلمان ہو جائیں۔ اس وقت
تہارا امتحان ہو جائے گا۔ اگر لڑے تو اجر ملے گا۔ اور اگر اسی طرح پیچھے رہ گئے
تو اللہ کا بڑا عذاب تم پر نازل ہوگا۔

یہ لڑائی فتنہ ارتداد میں آنحضرتؐ کی وفات کے بعد ہی پیش آئی۔ اور
حضرت ابو بکرؓ نے ان اعراب کو اس کے لئے بلایا۔ چنانچہ وہ لڑے اور مسلمہ
کتاب کی قوم مسلمان ہوئی۔ دوسری پیشین گوئی ہے۔

غَلِبَتِ الرُّومُ لِأَنِّي أَخْلَصْتُ رومی قریب ترین سرزمین میں مغلوب ہو گئے
وَهُمْ مِّنْ بَعْدِ عَلَيْهِمْ سَيَّغْلِبُونَ لیکن اپنے مغلوب ہونے کے چند سال بعد
فِي بَصْعَةِ بَيْنِيْنِ وہ غالب آجائیں گے۔

ایرانی مجوسی اور مشرک تھے اور رومی اہل کتاب۔ ان دونوں سلطنتوں میں باہم دائمی نزاع چلی آتی تھی۔ اور ان کے جولا نگاہ عراق اور شام کے میدان تھے۔ کبھی رومی غالب آجاتے تھے اور ایرانیوں کو دجلہ اور فرات کے کناروں تک دھکیل دیتے تھے۔ اور کبھی ایرانی چہرہ دست ہو کر ان کو بحر روم کے سوا تک بھگا دیتے تھے۔ آنحضرتؐ کے زمانہ میں ایرانیوں نے رومیوں پر بہت بڑی فتح پائی۔ بیت المقدس پر قبضہ کر لیا اور ۶۱۶ء میں مصر پر چڑھائی کی اور اسکندر یہ لے لیا۔ یہ خبریں جب مکہ میں پہنچیں تو کفار نے بوجہ اس کے کہ ایک مشرک قوم کو اہل کتاب پر غلبہ حاصل ہوا تھا۔ مسلمانوں کے مقابلہ میں شادیاں بجانے شروع کئے۔ اس کے بارے میں قرآن میں مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔

حضرت ابو بکرؓ نے اس آیت کا جس وقت اعلان کیا تو قریش کے ایک سردار ابی بن خلف نے کہا کہ یہ ناممکن ہے کہ اب رومی فتح یاب ہوں میں اس پر دس دس اونٹ کی شرط لگاتا ہوں۔ حضرت ابو بکرؓ کو چونکہ یقین کامل تھا کہ وحی الہی کبھی غلط ہو نہیں سکتی اس لئے انھوں نے اس کی شرط کو منظور کر لیا۔ اور تین سال کی مدت مقرر کی۔ جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے آکر اس کو بیان کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا کہ آیت میں بضع (چند) کا لفظ ہے جو تین سے نو تک بولا جاتا ہے لہذا مدت کو بڑھا دو۔ حضرت ابو بکرؓ نے ابن خلف سے نو سال کی مدت مقرر کی۔ اس نے قبول کر لیا اور

اونٹوں کی تعداد بھی سو تک بڑھا دی۔

ادھر شکست کھانے کے ساتویں سال ۶۲۳ء میں قیصر روم ہرقل خواب غفلت سے بیدار ہوا۔ اور سامان جنگ تیار کر کے ایرانیوں پر حملہ کیا۔ اور وہ سارا علاقہ ان سے چھین لیا جو انھوں نے لیا تھا۔ اس فتح کی خبر مارچ ۶۲۴ء میں مسلمانوں کو اس وقت ملی جب وہ بدر کی فتح حاصل کر کے واپس ہو رہے تھے۔ حضرت ابو بکر نے ابن خلف کے وارثوں سے شرط کے اونٹ لئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ان کو خیرات کر دو۔

یہ سوچنے کا مقام ہے کہ کیا اس قسم کی قطعی پیشین گوئی کسی انسان کے بس کی بات ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے دشمن بھی عقل و فہم میں متما مانتے ہیں۔ کیا آپ ان دشمنوں کے سامنے جو ہر وقت آپ کی لغزش کی تاک میں لگے ہوئے تھے اس قسم کی غیر ضروری اور غیر متعلق پیشین گوئی اپنی رائے سے کر سکتے تھے جو خلاف نکلتی تو ان کو تکذیب کی سزا اور انکار کی دلیل ہاتھ آجاتی۔

یہود کے متعلق قرآن نے کہہ دیا تھا۔

ضَرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذَّلَّةُ أَيُّسَمَا تَفْقَهُوا
إِلَّا بِحَبْلِ مِنَ اللَّهِ وَحُبْلِ مِنَ الْغَايِبِ
وَبَأْوِ الْغَضَبِ مِنَ اللَّهِ وَضَرِبَتْ
عَلَيْهِمُ الْمَسْكَنَةُ ۝۳

بجز اللہ کی حمایت یا آدمیوں کی پناہ کے وہ
جہاں رہیں گے ان پر ذلت چھائی ہوئی
رہے گی۔ وہ اللہ کے غضب میں ہیں اور مسکنی
ان پر مسلط کر دی گئی ہے۔

اس زمانہ سے آج تک کہیں چبہ بھر زمین کی حکومت یا قومی عزت
 اُن کو نصیب ہوئی؟ یہود اپنے آپ کو اللہ کا پیارا اور اس کی اولاد سمجھتے
 تھے اور جنت کو صرف اپنا حصہ جانتے تھے۔ اُن سے کہا گیا۔

قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمْ الدِّالَةُ الْاٰخِرَةُ
 کہہ دو کہ جو اللہ کے نزدیک دارِ آخرت ہے
 عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةٌ مِنْ دُوْنِ النَّاسِ
 تمہاری ہی لہو ہے جو دوسروں کے لہو نہیں ہے
 فَتَمْتُمُوْا الْمَوْتِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ
 تو تم اپنی موت کی خواہش کرو اگر سچ ہو لیکن
 وَلٰنْ يَّتِمَّنَّوْا اَبَدًا
 وہ ہرگز موت کی خواہش نہیں کریں گے

اس آیت کا اعلان کر کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی علانیہ فرمادیا تھا
 کہ موت کی آرزو اُن میں سے کسی کی زبان پر آئی نہیں کہ اس کی جان نکلی
 نہیں۔ اب یہود کے لئے بہت آسان تھا کہ وہ زبان سے اپنے مرنے کی
 آرزو کر کے رسول اور قرآن دونوں کو جن کی تکذیب کے درپے تھے جھٹلا
 دیتے۔ لیکن نہیں کر سکے۔ اور قرآن سچ ہو کے رہا۔

۳۳ فصاحت و بلاغت

معانی و بیان کا امام سکا کی مفتاح العلوم میں لکھا ہے
 قرآن کا اعجاز ایک ذوقی اور وجدانی کیفیت ہے جو طبیعت کو محسوس
 ہوتی ہے لیکن زبان سے بیان نہیں ہو سکتی جس طرح ذائقہ کو
 زبان دریافت کر لیتی ہے یا اچھی آواز کا لطف کانوں کو محسوس
 ہوتا ہے لیکن ان کا اظہار کرنا ناممکن ہے۔

علامہ ابن عطیہ لکھتے ہیں۔

بعض بعض شعراء ایک قصیدہ لکھتے ہیں اور سال سال دو دو سال تک اس میں اصلاح اور ترمیم کرتے رہتے ہیں پھر بھی اس کو ایک لفظ کی جگہ آسانی سے دوسرا لفظ رکھا جا سکتا ہے مگر قرآن کی عبارت ایسی ہے کہ جو لفظ جہاں ہے اگر وہاں سے اس کو اٹھا لو تو ساری عربی زبان میں بھی تلاش کر کے کوئی ایسا لفظ نہیں لا سکتے جو اس جگہ پر ویسا ہی موزوں ہو جیسا کہ وہ لفظ تھا۔

یہ ظاہر ہے کہ آنحضرت عرب میں پیدا ہوئے۔ وہیں پرورش پائی اور ہمیشہ وہیں رہے اس لئے آپ کے کلام کا انداز وہی تھا جو بالعموم شرفار عرب کا تھا جیسا کہ حدیثوں سے ظاہر ہے۔ کیونکہ ان میں بیشتر الفاظ وہی ہیں جو آپ کی زبان سے نکلے تھے۔

لیکن قرآن کا اسلوب عجیب و غریب ہے جو اس ملک کے طرز بیان سے بالکل جدا اور اٹوٹا کھٹا ہے۔ اس کی ترکیب کی نزاکت۔ کلمات کی لطافت و فصاحت و بلاغت فطرت عرب سے کہیں بالا تر ہے۔ چنانچہ قریش نے جب اس کو سنا تو حیرت میں پڑ گئے۔ کسی نے اس کو کاہنوں کا قول کہا۔
سی نے جا دو بتایا۔ کسی نے شعر کا لقب دیا۔

ولید بن مغیرہ سردار قریش نے جب اس کی آیتیں سنیں تو بے ساختہ ہر اٹھا کہ اس کلام میں عجیب صداوت اور لطافت ہے۔ یہ انسان کا

قول نہیں ہے۔ اس کے بھتیجے ابو جہل نے قرآن کی طرف اس کے رجحان کو دیکھ کر کہا کہ یہ تو شاعری ہے ولید نے کہا کہ کیا ہم نے شعر سنے نہیں ہیں۔ کجا یہ کلام اور کجا شعر۔

عتبہ جو قریش کا رئیس اعظم تھا جب اپنی قوم کی طرف سے آنحضرتؐ سے گفتگو کرنے کے لئے آیا تو سرور انبیاء نے اس کو سورہ حم سجدہ سنائی وہ حیرت زدہ ہو کر کمر پر ہاتھ رکھے ہوئے کھڑا سنتا رہا۔ اُس کے بعد اپنے گھر میں چلا گیا۔ جب لوگ اُس کے پاس گئے تو اُس نے کہا کہ محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مجھے ایسا عجیب و غریب کلام سنایا جس کو میرے کانوں نے کبھی نہیں سنا تھا۔ میں حیران رہ گیا اور اُن کو کچھ جواب نہ دے سکا اسی کے ساتھ یہ امر بھی غور کے قابل ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی زبان آور ہو ایک بات کو کئی بار اور کئی طرح سے خوش اسلوبی کے ساتھ نہیں بیان کر سکتا۔ لیکن قرآن میں بہت سے قصے انبیاء کے ہیں جن کو کئی کئی نوعیتوں سے اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے اور ہر ہر نوعیت کی شانِ بلاغت بے مثل ہے۔

اس کے علاوہ فصاحت و بلاغت کے اظہار کے لئے ادبی مہارتیں ہوا کرتے ہیں۔ کوئی شاعر یا ادیب دینی اور مذہبی تعلیم میں اپنا ہنر دکھانے سے قاصر ہے۔ یہ بھی قرآن کی خاص خصوصیت ہے کہ تامل و تدبیر کی تعلیم اور فصاحت و بلاغت میں لاجواب۔

(۴) جاؤ یہ اثر

قرآن کا یہ امتیاز تمام آسمانی کتابوں سے نمایاں ہے کہ اس کا ایک ایسا لطیف اور پاک اثر روح پر پڑتا ہے کہ دل رقت سے پاتی پاتی ہو جاتا ہے۔ تاریخ شہادت دیتی ہے کہ بہت سے اہل عرب اور ان کے رؤساء جو اسلام کے سخت دشمن تھے قرآن کو سن کر ایسے متاثر ہوئے کہ مسلمان ہو گئے حضرت عمرؓ کے اسلام لانے کا واقعہ بھی اسی قسم کا ہے۔ وہ پہلے اسلام کے سخت دشمن تھے۔ یہاں تک کہ ایک دن تلوار لے کر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنے کے لئے گھر سے چلے۔ راستہ میں معلوم ہوا کہ ان کی بہن مسلمان ہو گئی ہیں۔ اس لئے پہلے انھیں کے گھر میں چلے گئے۔ وہاں قرآن کے چند ورقے ان کو ملے۔ ان کو پڑھنے کے ساتھ دل پر ایسا اثر ہوا کہ آنحضرتؐ کی خدمت میں جا کر اسلام لائے۔

حضرت جریر بن معلم نے جو رؤساء قریش میں سے تھے اپنے اسلام لانے کا حال بیان کیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغرب کی نماز میں سورۃ والطور پڑھ رہے تھے۔ میں ادھر سے گذرا۔ اور سننے لگا۔ جب آپ

اس آیت پر پہنچے
أَمْ خَلِقُوا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمْ
الْمَخْلُوقُونَ ۝۲
کیا وہ بدون کسی خالق کے پیدا ہو گئے ہیں
یا خود ہی خالق ہیں۔

تو میرا دل ہل گیا۔ اور مجھ پر ایک کیفیت طاری ہو گئی۔ آخر میں جب آکر

مسلمان ہو گیا۔

نجاشی نے اپنے یہاں کے علماء کی ایک جماعت آنحضرت کی خدمت میں بھیجی تھی جب ان لوگوں نے قرآن کی باتیں سنیں تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ اس کا ذکر خود قرآن میں ہے

وَإِذْ أَسْمِعُ مَا أَنْزَلَ إِلَى الرَّسُولِ جِئْتَهُمْ بِبُرْهَانٍ بَيِّنٍ
تَرَىٰ أَعْيُنُهُمْ تَفِيضُ مِنَ الدَّمْعِ مَرَّةً
عَرَفُوا مِنَ الْحَقِّ ۚ ۵

اس لئے کہ وہ حق کو پہچان گئے۔
علماء اہل کتاب جو اسلام لاتے تھے ان کو قرآن کے ساتھ اور بھی عشق ہو جاتا تھا چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کی مدح میں فرمایا۔

مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ أُمَّةٌ قَائِمَةٌ يَتَّبِعُونَ
آيَاتِ اللَّهِ أَنْتَاءَ اللَّيْلِ وَهُمْ يَسْجُدُونَ
۳۹ اور سجدے کرتے ہیں۔

یہ قرآن ہی کا اثر تھا کہ عرب حبیبی جاہل اور وحشی قوم کو اعلیٰ انسانی صفات کے لحاظ سے اُس نے ایسے بلند مرتبہ پر پہنچایا کہ دنیا کی تاریخ اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔

یہ قرآن ہی کا اثر تھا کہ اُس نے ان میں ایسی بزرگی اور اخلاقی عظمت پیدا کر دی کہ فارس اور روم کی زبردست سلطنتیں جن کی سطوت اور شوکت سے دنیا لرزتی تھی ان کی ایک ٹکر میں پاش پاش ہو گئیں۔

یہ قرآن ہی کا اثر تھا کہ اسلام جس میں تصریح کے ساتھ یہ حکم دیا گیا ہے کہ
 لَا اِكْرَاهَا فِي الدِّينِ ۗ دین کے معاملہ میں کوئی زبردستی روا نہیں ہے۔
 بہت قلیل عرصہ میں دنیا کی قوموں میں پھیل گیا۔ اور تمام مذاہب و پل پر غالب آ گیا۔
 (۵) عدم اختلاف معنوی :- باوجود اس کے کہ قرآن ہر قسم کے علوم دینیہ اور
 اصول روحانیہ کا مجموعہ اور مخزن ہے لیکن کہیں اس کی تعلیمات میں تناقض اور
 اختلاف نہیں پایا جاتا۔ امام غزالی لکھتے ہیں۔

انسان کا کلام اختلاف سے غالی نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس کے احوال
 اور اغراض بدلا کرتے ہیں۔ کبھی اس کا میلان کسی شے کی طرف ہوتا
 ہے اور کبھی کسی شے کی طرف۔ لہذا اس کے خیالات میں بھی اختلافات
 ہو جاتے ہیں۔ پھر سوچو کہ ایسی حالت میں جب کہ ایک انسان تیس
 سال تک جو نزول قرآن کی مدت ہے ایک ہی غرض کے مطابق
 کلام کرے اور اس کے بیان کا ایک ہی انداز اور ایک ہی اسلوب
 ہو۔ اور باوجود اس کے کہ کثرت سے اس پر مختلف احوال اور اغراض
 طاری ہوتے رہیں پھر بھی اس کے کلام میں اختلاف نہ واقع ہو تو
 یہ یقیناً اس امر کی دلیل ہے کہ وہ خود اس کا یا کسی غیر آدمی کا کلام
 نہیں ہے بلکہ وحی آسمانی ہے۔

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

اَفَلَا يَتَلَبَّثُونَ الْقرآنَ طَوْقًا وَّلَوْ كَانِ ۗ کیا وہ قرآن میں غور نہیں کرتے۔ اگر وہ اللہ

مِنْ عِنْدِ خَيْرِ اللَّهِ لَوْ جَبَلٌ وَفِيهِ إِخْتِلَافًا كَسَاكِيٍّ أَوْ كِلَابٍ مِنْ جِهَتِهِ أَوْ كِلَابٍ مِنْ جِهَتِهِ أَوْ كِلَابٍ مِنْ جِهَتِهِ
 كَثِيرًا ۝
 (۶) سہولت حفظ

یہ خصوصیت بھی قرآن ہی کو حاصل ہے کہ باوجود اس کے کہ وہ ایمان و تزیئہ قلب کے حقائق و معارف اور عبادات و اخلاق و آداب معاشرے کے اصول اور تمدن اور جہان نبانی کے قواعد و ضوابط۔ نیز ہر قسم کی انفرادی اور اجتماعی تعلیمات اور شخصی اور قومی عروج و زوال کے اسباب پر حاوی اور محیط ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے نصیحت لینا اس کا سمجھنا اور یاد رکھنا نہایت آسان کر دیا ہے۔ اور فرمایا ہے۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْآنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُدَّاكِرٍ ۝
 ہم نے سمجھنے کے لئے قرآن کو آسان کر دیا ہے۔ کیا کوئی سمجھنے والا ہے؟

چنانچہ عرب جیسی ان پڑھ قوم نے اس کو آسانی سے سمجھ لیا اور اس پر عمل کر کے مقبول ہو گئے اور آج بھی اگر عامی سے عامی اور جاہل سے جاہل کو اس کے معنایں سمجھائے جاتے ہیں تو وہ بے تکلف سمجھ لیتا ہے۔ یاد رکھنے کی تو یہ کیفیت ہے کہ چھوٹے چھوٹے بچے بھی اس کو ابر کر لیتے ہیں۔

(۷) احتواء علوم

قرآن میں علوم الہیہ۔ اصول دین اور حکمت و دانائی کی باتیں اس قدر

ہیں کہ کسی آسمانی کتاب میں ان کا عشر عشر بھی نہیں ہے۔ حالانکہ اس کا حجم کم اور نسبتاً مختصر ہے۔

کوئی ایسی تعلیم جو انسان کی روحانیت کے لئے مفید ہو اور دنیا کی کسی کتاب سے نکالی جاسکتی ہو یہ ناممکن ہے کہ وہ قرآن میں نہ ہو۔ مشہور مورخ گین لکھتا ہے۔

قرآن کو مسلمانوں کا ایک عام مذہبی۔ تمدنی۔ ملکی۔ تجارتی۔ قومی۔ دیوانی اور فوجداری وغیرہ کا ضابطہ کہہ سکتے ہیں۔ وہ ہر ایک امر پر حاوی ہے مذہبی عبادات سے لے کر رات دن کے کاروبار روحانی نجات سے لے کر صحت جسمانی۔ جماعت کے حقوق سے لے کر حقوق افراد۔ اخلاق سے لے کر جرائم اور دنیاوی سزا سے لے کر دینی سزا وغیرہ تک کے تمام احکام قرآن میں موجود ہیں۔ اسی سبب سے قرآن اور بائبل دو مختلف چیزیں ہیں۔ کیونکہ کوہم کہتا ہے کہ بائبل میں دنیات کا کوئی قاعدہ اور ضابطہ نہیں ہے۔ بلکہ اس میں قصص ہیں جن سے عبادت اور پرہیزگاری کے جذبات برانگیختہ ہوتے ہیں۔ نہ قرآن اناجیل سے ملتا ہے کہ اس کو ہم صرف مذہبی رایوں اور افعال کی اصلاح ہی کا معیار قرار دیں۔ بلکہ بخلاف اس کے قرآن میں سیاسی اصول بھی موجود ہیں۔ انھیں اصول پر حکومت کی بنیاد پڑی۔ انھیں سے ملکی

قوانین اخذ کئے جاتے ہیں۔ اور روزمرہ کے مقدمات جانی و مالی کے فیصلے ہوتے ہیں۔

جب سے قرآن نازل ہوا ہے اسلام کے بڑے بڑے حکما و علماء اور اُدبار اسی کے عمیق بحر معانی میں غوطے کھاتے ہیں۔ ان لوگوں نے ہزار ہا تفسیریں لکھیں اور اس کے سینکڑوں عنوان مثلاً احکام القرآن۔ اعجاز القرآن۔ حجج القرآن اور قصص القرآن وغیرہ الگ الگ قائم کر کے ان پر جداگانہ تصانیف کے انبار لگا دئے۔ پھر بھی کئی نئی تصنیفوں کی ضرورت دن بدن نکلتی چلی آتی ہے۔ اور قرآن کی علمی شعاع روزانہ نئی آب و تاب سے پرتو فگن ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

وَلَوْ اَنَّ مَا فِي الْاَرْضِ مِنْ شَجَرٍ اَوْ اَقْلَامٍ
 وَالْبَحْرِ يَمْدُ لَا مِنْ بَعْدِ لَا سَبْعَةَ اَنْجُمٍ
 مَا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللّٰهِ ۝۳۱
 اگر روئے زمین کے سارے درخت قلم
 بن جائیں اور سمندر روشنائی ہو جائے
 پھر اس کو بعد سات سمندر اور جب بھی اللہ
 کی باتیں ختم نہ ہوں گی۔

ان سب کے ساتھ اس کو بھی ملاؤ کہ یہ کتاب اس شخص نے پیش کی جو
 ناخواندہ تھا۔ نہ اس کے ملک میں کوئی مدرسہ تھا۔ نہ اس کی زبان میں کوئی کتاب
 تھی۔ نہ اس کی قوم میں کوئی تعلیم یافتہ تھا۔ کیا اب بھی تم کو شک ہو کہ یہ معجزہ
 اور کلام الہی نہیں ہے؟

حروف مقطعات

قرآن کی بعض بعض سورتوں کے شروع میں جو حروف مفرد آتے ہیں جیسے الم۔ حم۔ طس وغیرہ یہ مقطعات کہے جاتے ہیں۔ یہ ایسے مرموز حروف ہیں جن کے معانی امت کو نہیں بتائے گئے۔

بعض ناواقف یہ کہتے ہیں کہ یہ ہم حروف قرآن کی فصاحت و بلاغت میں خلل انداز ہیں لیکن یہ سوچنے کی بات ہے کہ کفار عرب جو قرآن کے ایک ایک لفظ کو نہایت گہری تکتہ چینی کی نگاہ سے دیکھا کرتے تھے۔ اگر ان حروف سے اس کی فصاحت و بلاغت میں نقص واقع ہوتا تو سب سے پہلے وہ اعتراض کرتے۔ مگر انہوں نے سنا اور کبھی ان پر اعتراض نہیں کیا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ عربی انداز گفتگو کے لحاظ سے یہ حروف ان کے نزدیک غیر اجنبی اور اعجاز قرآن میں غیر غفل تھے۔

مسلمانوں میں سے بہت سے لوگوں نے ان حروف کے معانی بیان کرنے میں اپنی اپنی جودت اور ذہانت دکھانے کی کوشش کی ہے۔ کوئی اس کی توجیہ یہ بیان کرتا ہے کہ اہل عرب کا قاعدہ تھا کہ وہ اپنے قصیدوں کے نام ان کے ابتدا کے حروف یا الفاظ سے رکھ لیتے تھے۔ اسی طرح ان حروف مقطعات کے ساتھ سورتوں کے نام رکھے گئے ہیں۔

کسی نے لکھا ہے کہ ان سے اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ کی طرف اشارہ ہے۔
کوئی کہتا ہے کہ یہ مخالفین کو متوجہ کرنے کے لئے استعمال کئے گئے ہیں۔
بعضوں نے یہ تاویل کی ہے کہ یہ قرأت کے شروع میں اہجہ کو درست
کرنے کے لئے رکھے گئے ہیں۔

شیخ محمد الدین ابن عربی لکھتے ہیں۔

حروف مقطعات ان فرشتوں کے نام ہیں جو شعبہائے ایمان پر موکل
ہیں۔ حدیث میں آیا ہے۔

اکایمان بضع وسبعون شعبة ایمان کے چند اور شتر شعبے ہیں۔

چند کا اطلاق تین سے ۹ تک ہوتا ہے۔ لہذا شعبہائے ایمانی زیادہ
سے زیادہ ۷۹ ہوں گے، حروف مقطعات جس قدر قرآن میں واقع

ہوئے ہیں ان سب کو جو ہم شمار کرتے ہیں تو ان کی تعداد بھی ۷۹

ہوتی ہے۔ جن جن سورتوں میں یہ حروف واقع ہوئے ہیں ان میں

انھیں ایمانی شعبوں کا بیان کرنا اصل مقصود ہے جن کے موکلوں

کے نام ان کے شروع میں دئے گئے ہیں کہ جب پڑھنے والا ان

سورتوں کی تلاوت شروع کرے تو وہ فرشتے اپنا نام سنتے ہی تیار

ہو جائیں اور ان ایمانی شعبوں کے دروازے کھول دیں تاکہ عالم قدر

سے تلاوت کرنے والے کے قلب پر ان سے ایمان کا فیضان ہو۔

الغرض مختلف لوگوں نے اپنی اپنی فہم کے مطابق ان حروف کی

مختلف توجیہات لکھی ہیں۔ لیکن جن رموز کو کسی خاص مصلحت کی وجہ سے
اللہ تعالیٰ نے مخفی رکھا۔ اور اس کے رسول نے بیان نہیں کیا ان کی
گرہ کشائی کون کر سکتا ہے!!

بحث نسخ

ہم پہلے لکھ چکے ہیں کہ دین الہی شروع سے اسلام ہی ہے۔ اسی دین کو بتدریج انبیاء علیہم السلام کے توسط سے اللہ تعالیٰ بڑھاتا اور ترقی دیتا چلا آیا۔ یہاں تک کہ نبی آخر الزماں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس کی تکمیل فرمادی اس درمیان میں علی احکام میں تبدیلیاں بھی کرتا رہا۔ یعنی ایک نبی کو اس کی قوم کی حالت کے مطابق کوئی خاص حکم دیا۔ دوسرے نبی کے عہد میں وہ حالت بدل گئی اس لئے اس حکم کو بدل کر اس کے بجائے دوسرا حکم دے دیا۔ اسی کو نسخ کہتے ہیں۔

معنی نسخ

نسخ کے یہ معنی نہیں ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم دیا جس کا انجام (نعوذ باللہ) اس کو معلوم نہ تھا۔ پھر اس کو کوئی دوسری بات پسند آگئی اس لئے حکم اول کو منسوخ کر کے دوسرا حکم دے دیا۔ بلکہ اس کا مفہوم صرف یہ ہے کہ جس وقت تک اس نے مناسب سمجھا اس حکم کو رکھا۔ اور جب دوسری حالت پیدا ہو گئی جس میں اس پر عمل کرنے کی ضرورت باقی نہ رہی تو اس نے اس حکم کو بدل دیا۔ چنانچہ فرمایا ہے۔

مَا نَسَخْنَا مِنْ آيَةٍ أَوْ نَسِيهَا نَأْتِ بِخَيْرٍ
 جہاں ہم منسوخ کرتے ہیں یا بھلا دیتے ہیں
 اس کی جگہ ایسی ہی یا اس سے بہتر آیت
 آتا ہے۔

الغرض جس طرح طبیب مریض کے نسخہ میں حسبِ حالت ترمیم اور تبدیل کرتا رہتا ہے اسی طرح حکیم حقیقی بھی مصلحت اور مقتضائے وقت کے لحاظ سے اپنے احکامات کو بدلتا ہے۔

قرآن میں نسخ نہیں ہے

لیکن قرآن میں جو آخری اور مکمل کتاب ہے اور جس کے بعد کوئی نبی اس کی تکمیل کے لئے نہیں آئے گا تحقیق علماء اسلام وقوعِ نسخ سے انکاری ہیں مگر بیشتر مفسرین اور فقہار قائل ہیں اور انھوں نے اس کی تین قسمیں قرار دی ہیں۔

(۱) وہ آیات جن کا حکم بھی منسوخ ہو گیا اور وہ پڑھی لکھی بھی نہیں جاتیں۔

(۲) وہ آیات جن کا حکم منسوخ نہیں ہوا لیکن تلاوت منسوخ ہو گئی۔

(۳) وہ آیات جن کا حکم منسوخ ہو گیا ہے لیکن تلاوت نہیں منسوخ ہوئی۔

نسخ کی پہلی قسم کا خیال چند ضعیف بلکہ موضوع روایات سے پیدا ہو گیا ہے۔ اس قسم کی عینی روایتیں ہیں ان سب کو قاضی ابوبکر نے موضوعات کی فہرست میں داخل کیا ہے۔

صحیحین میں جو ایک روایت ہے کہ حضرت انس بن مالکؓ نے اصحابِ بئر معونہ کا قصہ بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ جب وہ لوگ مارے گئے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کے قاتلوں پر قنوت پڑھا کرتے تھے اور ان کے متعلق یہ قرآن بھی تھا۔

اَنْ يَّبْلُغُوا عَنَا قَوْمَنَا اِنَّا لَقِنَا لَمِنَ الْفَرِيقِ ۝
 ہماری قوم کو ہماری طرف سے یہ خبر پہنچا دو
 کہ ہم اپنے سب سے ملے وہ ہم سے راضی ہوا
 اور ہم کو خوش کر دیا۔

پھر یہ قرآن اٹھالیا گیا۔

اس میں قرآن کے لفظ سے غلط فہمی ہوئی ہے۔ عربی میں قرآن ہر اس
 شے کو کہتے ہیں جو پڑھی جائے۔ اصحاب برسمعونہ آنحضرتؐ کے حکم سے گئے
 تھے۔ اور نہایت دردناک طریقہ سے کافروں نے ان کو قتل کر ڈالا تھا۔ اس
 پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جملہ ان کی زبان حال سے فرمایا تھا نہ قرآن
 کی طرح اس کو لکھایا نہ کسی کو یاد کرایا۔ پھر یہ قرآنی آیت کیونکر ہو سکتی ہے۔
 روایت میں محض قرآن کے لفظ کے اہجانے سے اس کو آیت قرار دے کر
 منسوخ کہنا کسی طرح صحیح نہیں ہے۔

منسوخ السلاوات

منسوخ کی قسم دوم عقل کے بالکل خلاف ہے۔ کیونکہ اگر حقیقت میں ایسی
 کوئی آیت ہوتی تو ناممکن تھا کہ اس کی حفاظت نہ کی جاتی۔ یا وہ قرآن میں
 درج ہونے سے رہ جاتی۔ رجم کے متعلق حضرت عمرؓ سے جو روایت کی
 گئی ہے کہ انہوں نے کہا کہ

ایک زمانہ ایسا آئے گا کہ لوگ کہیں گے کہ رجم کا حکم کتاب اللہ میں
 نہیں ہے۔ حالانکہ اس میں رجم کا حکم دیا گیا ہے جب کہ مجرم خود معترف

ہو یا عمل ہو یا گواہ گذر جائیں۔

اس میں کتاب اللہ کے لفظ سے دھوکا ہوا ہے کہ لوگوں نے اس کے معنی قرآن کے سمجھ لئے حالانکہ قرآن میں کہیں رجم کا حکم نہیں نازل ہوا۔ اگر واقعی رجم کی آیت نازل ہوتی تو ممکن نہ تھا کہ وہ قرآن میں درج ہونے سے رہ جاتی۔ کیونکہ یہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے منصب تبلیغ کے فلاح تھا کہ کوئی آیت اُتے اور آپ اس کو نہ لوگوں کو یاد کرائیں اور نہ لکھائیں خود حضرت عمرؓ جن سے یہ روایت نقل کی گئی ہے جمع قرآن میں شریک تھے۔ کیا چیز مانع تھی جو انہوں نے اس کو درج نہ کرایا۔

حقیقت یہ ہے کہ اس روایت میں اگر یہ صحیح ہے کتاب اللہ سے مراد قرآن ہرگز نہیں ہے۔ بلکہ توریت ہے جس میں رجم کا حکم دیا گیا ہے کیونکہ کتاب اللہ کا اطلاق ان کتابوں پر بھی ہوتا ہے جو اسلامی عقیدہ میں منزل من اللہ مانی گئی ہیں۔

منسوخ الحکم

باقی رہی نسخ کی تیسری قسم۔ اس میں لوگوں نے رائے اور قیاس کو اس قدر دخل دیا ہے کہ پچاسوں آیتوں پر نسخ کا حکم لگا دیا۔ علامہ ابن العربی نے اس تعداد کو کم کر کے ۲۱-۲۲ آیتیں منسوخ قرار دی ہیں۔ شاہ ولی اللہ صاحب نے اس میں اور زیادہ غور کیا تو انہوں نے فوز الکبیر میں صرف پانچ آیتوں کو منسوخ کہا وہ یہ ہیں۔

(۱۱) كَتَبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدٌ
 كَمَا مَوْتُ إِنْ تَرَكَ خَيْرًا
 بِأَلْوَصِيَّةٍ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ ۝

تم میں سے جب کسی کے مرنے کا وقت
 آئے اور وہ کچھ مال چھوڑے تو اس پر فرض
 ہے کہ والدین اور اقرباء کے لئے وصیت کر جائے
 اس آیت کو آیت میراث سے جس میں اللہ تعالیٰ نے والدین اور اقرباء
 کے حصے معین فرمادئے ہیں منسوخ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ آیت میراث میں
 اللہ تعالیٰ نے خود مورث کی وصیت کا نفاذ مقدم رکھا ہے۔ اور صاف
 صاف فرمادیا ہے کہ تو ریث اس کی وصیت پوری کرنے کے بعد جاری
 ہوگی۔ اس لئے دونوں میں تناقض نہیں ہے جو نسخ کا سوال پیش ہو۔
 علاوہ بریں سورہ مائدہ میں جو آنحضرت کی آخر عمر میں نازل ہوئی ہے وصیت
 کے حکم کو بدستور رکھا ہے۔ اگر وصیت آیت وراثت سے منسوخ ہو گئی ہوتی

تو پھر اس کی تاکید کی کیا ضرورت تھی۔

(۱۲) وَالَّذِينَ يَتَّقُونَ مِنكُم مَّن بَدَأَ
 آذَانًا مِّن بَيْنِ يَدَيْهِمْ فَمَن مَّا
 إِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ إِخْرَاجٍ فَإِنْ خَرَجْنَ
 فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا فَعَلْنَ فِي
 أَنفُسِهِنَّ مِن مَّعْرُوفٍ ۝

اور جو لوگ تم میں سے گنہگار ہیں اور بیویا
 چھوڑ جائیں تو چاہے کہ وصیت کر جائیں کہ
 ایک سال تک ان کی بیویوں کو سامان
 دیا جائے اور وہ گھر سے نکالی جائیں اگر
 وہ خود نکل جائیں اور اپنی بہتری کے لئے
 کچھ کریں تو تم پر کچھ الزام نہیں۔

اس آیت کو اس آیت سے جس میں شوہروں کے مرنے پر بیویوں

کی مدت چار مہینہ دس دن مقرر کی گئی ہے منسوخ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ دو تولد آیتوں میں بالکل تناقض نہیں ہے۔ اس آیت میں ہے کہ ایک سال تک اس کے رہنے سہنے کی وصیت کر دو۔ اور اگر وہ نہ چاہے تو مدت کے بعد نکل جائے اور دوسرا نکاح کر لے تمہارے اوپر کچھ الزام نہیں ہے۔ اس سے ظاہر ہے کہ سال بھر کی وصیت صرف بیوہ کی آسائش کے لئے ہے مدت کی طرح فرض نہیں ہے۔

خود امام بخاری نے دعایت کی ہے کہ مدت کے چار مہینے دس دن گند جانے کے بعد بقیہ سات مہینے بیس دن وصیت کے ہیں۔ جن میں اگر وہ چاہے تو ہے نہ چاہے تو پہلی چائے۔

۳۳، اَلتَّقْوَا اللّٰهَ حَقٌّ لِّقَاتِلِهِ ۝۳۳ اللہ سے ڈرو جو اس سے ڈرنے کا حق ہے۔

اس کی ناسخ اس آیت کو کہتے ہیں۔

فَاَلتَّقْوَا اللّٰهَ مَا اسْتَطَعْتُمْ ۝۳۴ جہاں تک ہو سکے اللہ سے ڈرو۔

بالکل کھلی ہوئی بات ہے کہ دونوں آیتیں ہم معنوں میں۔ بلکہ دوسری آیت نے پہلی آیت کی تشریح اور تفسیر کر دی ہے کہ جو حق تقویٰ کا ہے وہ تو تم سے ہو نہیں سکتا۔ ہاں بقدر اپنی وسعت کے تقویٰ اختیار کرو۔ یہ کیونکر اس کی ناسخ ہو سکتی ہے۔

۴۲، اِنْ يَكُنْ مِنْكُمْ عَشْرُونَ ۝۴۲ اگر تم میں سے بیس صبر کرنے والے ہوں تو دو

صابرین یعلیٰوا ما اتین ۝۴۳ سو پر غالب آسکتے ہیں۔

اس کو اس کے بعد کی اس آیت سے منسوخ قرار دیا ہے۔

الَّذِينَ خَفَتِ اللَّهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ أَنَّكُمْ صَابِرُونَ يَغْلِبُوا أُمَّتَيْنِ ۖ
اب اللہ نے تخفیف کر دی اس لئے دیکھا کہ تم میں کمزوری ہے۔ اب اگر تم میں کسی سو ثابت قدم ہوں کہ تو دو سو پر غالب آئیں گے

اس کی تشریح یہ ہے کہ جب مسلمانوں کی جماعت کم تھی تو دو سو کافروں کے مقابلہ میں بیس مسلمانوں کا بھیجا جائز تھا اور ان سے اللہ کا وعدہ تھا کہ وہ غالب آجائیں گے اور جب مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تو اس حکم کو منسوخ کر کے یہ کہا کہ اب دو سو کافروں کے مقابلہ میں سو مسلمان جایا کریں۔

ہم کہتے ہیں کہ دونوں آیتیں دو مختلف وقت اور حالت کے لئے ہیں اس لئے باہم تناقض نہیں ہے۔ جہاں جماعت مسلمانوں کی کم ہوگی وہاں اب بھی یہ حکم بدستور باقی ہے۔

(۵) يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذْ أَباحِيْتُمُ
الرَّسُولَ فَقَدْ مَوَّابِينِ يَدَايَ نَجْوَاكُمْ
صَدَقَةٌ مَا ذَلِكْ خَيْرٌ لَّكُمْ وَأَطِيعُوا
فَإِنَّ لَكُمْ مَجْدًا وَإِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ
مسلمانو! جب تم رسول سے سرگوشی کرنی چاہو تو پہلے صدقہ دو۔ یہ تمہارے لئے بہتر ہے۔ اور پاکیزگی کا ذریعہ ہے۔ اگر نہ پاؤ تو اللہ معاف کرنے والا اور مہربان ہے۔

اس کے بعد اس حکم کو اللہ تعالیٰ نے منسوخ کر دیا۔

اس کی اصلیت یہ ہے کہ لوگ کثرت کے ساتھ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کے لئے آتے تھے۔ اور بعض لوگ بلا ضرورت محض تفاخر اور

اظہار تقرب کی غرض سے ایسا کرتے تھے۔ اس لئے ان کے تزکیہ قلب کے لئے یہ حکم دیا کہ سرگوشی سے پہلے صدقہ دیا کریں یہ ایک موقت اور مستحب حکم تھا نہ کہ دائمی اور حتمی۔ اس کے نسخ کے کیا معنی۔

حقیقت یہ ہے کہ ان آیات کے متعلق جن کو لوگوں نے منسوخ الحکم قرار دیا ہے جس طرح ہم کو یہ یقین ہے کہ یہ قرآن کی احکامی آیتیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو نازل فرمایا۔ اور رسول کے ذریعہ سے ہم کو ملیں تا وقتیکہ اسی طرح کا یقینی علم اس بات کا بھی نہ حاصل ہو جائے کہ یہ آیتیں منسوخ ہو گئیں۔ ہم کو تو قرآن کے نسخ کے قائل ہو سکتے ہیں۔ اور خود ان میں باہمی تعارض بھی نہیں ہے کہ جس سے مجبوراً نسخ کا حکم لگانا پڑے۔

اصول نسخ

فقہاء جو آیات قرآنی میں نسخ کے قائل ہیں ان کے یہاں اصول نسخ میں بھی اختلاف ہے شافعیہ کے نزدیک آیت قرآنی کو صرف دوسری آیت ہی منسوخ کر سکتی ہے۔ امام شافعیؒ نے اپنے رسالہ میں لکھا ہے۔

إِنَّمَا يُنسخ مَا نُسخَ مِنَ الْكِتَابِ
بِالْكِتَابِ وَأَنَّ الشَّيْءَ لَا يَنْسخُ
نَاسِخَهُ لِكِتَابٍ

کتاب کی جو آیت منسوخ ہوئی ہے وہ کتاب ہی کو منسوخ ہوئی ہے۔ حدیث قرآن کی نسخ نہیں ہو سکتی۔

حنفیہ کے یہاں حدیث بھی آیت قرآنی کو منسوخ کر سکتی ہے۔ مولانا شبلی نعمانی نے سیرت النعمان میں لکھا یہ الزام امام شافعیؒ پر لگایا ہے۔

الغاروق جلد دوم میں بھی لکھتے ہیں۔

قرآن مجید کا کوئی حکم عام ہو تو خبر امداد سے اس کی تخصیص ہو سکتی ہے
بلکہ اس کے ذریعہ سے قرآن مجید کا حکم بھی منسوخ ہو سکتا ہے۔ امام شافعی

کا یہی مذہب ہے۔

تعب یہ ہے کہ حنفیہ کا یہ اصول اور شافعیہ کا یہ اختلاف اصول فقہ کی
کل کتب متداولہ میں مندرج ہے کیا کسی پر مولانا کی نگاہ نہ پڑی؟
حنفیہ کا یہ اصول کہ حدیثیں آیات قرآنی کی ناسخ ہو سکتی ہیں کسی طرح
قابل تسلیم نہیں ہے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

قُلْ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أُبَدِّلَ لَكُمْ مِنْ
تِلْكَ آيَاتِنِ نَفْسِي ۖ

قرآن کی آیتوں کو اپنی طرف سے بدل دوں

کیا جب قرآن کے کسی لفظ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تصرف کا اختیار نہ
تھا تو وہ اس کے احکام بدل سکتے تھے؟ پھر حدیث کا تو ثبوت بھی باجماع
علماء رسالت آج تک یقینی نہیں ہے بلکہ ظنی ہے۔ وہ کیونکر متواتر یقینی اور
قطعی آیت کو منسوخ کر سکتی ہے۔

دیگر کتب آسمانی

قرآن میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ کتب آسمانی توریت۔ زبور اور انجیل کا ذکر کیا ہے۔ اور ان کی تعریفیں بھی فرمائی ہیں کہ وہ ہدایت اور نور ہیں۔ لیکن اب ان اصل کتابوں کا دنیا میں وجود نہیں ہے۔ صرف ان کے ترجمے باقی ہیں جن کا مجموعہ بائبل ہے۔

بائبل

بائبل میں عہد متیق کی ۲ کتابیں ہیں۔ جن کی نسبت ان کے معتقدین یہ کہتے ہیں کہ یہ ان انبیاء سے ملی ہیں جو حضرت عیسیٰؑ سے پہلے تھے۔ اور عہد جدید کی ۲ کتابیں ہیں جو حضرت عیسیٰؑ کے بعد الہام کے ذریعہ سے لکھی گئی ہیں۔

ان میں سے بہت سی کتابیں پہلے خود میسائیوں کے نزدیک نامقبول تھیں۔ لیکن چوتھی صدی عیسوی میں مقام نائس۔ کار تھیج اور فلارنس وغیرہ میں مسیحی علماء نے مشاورت کی مجلسیں منعقد کر کے ان مشکوک کتب کو بھی مقبول قرار دیدیا۔

بائبل بے سند ہے

ان کتابوں کی حالت یہ ہے کہ بالکل بے سند ہیں۔ آج دنیا میں کوئی مسیح کا پیرویہ نہیں بتلا سکتا کہ ان کا سلسلہ اسناد کیا ہے۔ اور کس

فدلیہ سے اس کو یہ کتابیں ملیں۔ تاکہ ہم کو معلوم ہو سکے کہ جن لوگوں کے
توسل سے یہ حاصل ہوئی ہیں وہ معتبر تھے یا غیر معتبر تھے۔ انہوں نے جنسہم
ہم تک پہنچایا یا ان میں کچھ دو بدل کر دیا۔ بخلاف اس کے قرآن کے ہزاروں
اسناد ہیں جو مسلسل نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچتے ہیں۔ اور اسناد کو تو اہل
اسلام نے اس قدر ضروری سمجھا ہے کہ حدیث اور تاریخ میں بھی بلا اس
کے چارہ نہیں۔ عقل کے نزدیک بھی بلا اسناد کے کوئی بات کیونکر معتبر
ہو سکتی ہے۔

وجوہ تحریف

اس کے علاوہ ان کتابوں کے نام مستبر اور محرف ہونے کے اور بھی
چند اسباب ہیں۔

(۱) چارلس ڈالمین نے لکھا ہے۔

گزشتہ زمانے میں لکھنے کا طریقہ یہ تھا کہ لوہے یا پتیل یا ہڈی کی
سلانی سے لکڑی وغیرہ کی تختیوں پر لفظوں کے نقوش کندہ کئے
جاتے تھے۔ سب سے پہلے اہل مصر نے پیرس کے درخت کے
پتے ان تختیوں کے بجائے استعمال کرنے شروع کئے۔ اٹھویں
صدی عیسوی میں رومی اور ریشم سے کاغذ تیار ہوا۔ پہلے کتابیں
ایک ہی طرف لکھی جاتی تھیں۔ اور ان کو بولندہ بنا کر رکھتے تھے۔ ان
کو کھولنے کے لئے بڑی جگہ درکار ہوتی تھی۔ اور بہت وقت پیش آتی

تھی۔ کتابوں کا لکھنا۔ ترجمہ کرنا۔ پڑھنا اور ان کو حفاظت کے ساتھ
 رکھنا ایک مشکل کام تھا۔ نیز ان میں قصداً یا اور کسی سبب سے تغیر و تبدل
 کا واقع ہو جانا نہایت آسان تھا۔ لمحوں کا خیال کرتے ہوئے
 اس قسم کی خرابیوں کی بائبل میں بہت زیادہ قابلیت تھی۔

(۲) بخت نصر کے حملے میں جب یہود پر تباہی آئی۔ لاکھوں مقتول اور
 ہزاروں قید ہوئے اس وقت عہدِ عتیق کے تمام نسخے برباد کر دیئے گئے۔
 یہاں تک کہ اگر عذر اُٹھ پیدا ہوتے جنہوں نے ان تمام کتابوں کو پھر لکھ کر
 مرتب کیا تو کتب مقدسہ کا نشان بھی نہ ملتا۔ لیکن عذر اُٹھ کے بعد ہی ۱۶۶ ق م
 میں بادشاہ اینٹونوکس نے بیت المقدس کو پھر فتح کیا اور یہودیوں کا
 قتل عام شروع کر دیا۔ عہدِ عتیق کے جس قدر نسخے جہاں سے اس کو مل
 سکے اس نے جلو ادا کئے اور اعلان عام کر دیا کہ جس کے پاس عہدِ عتیق
 کی کوئی کتاب نکلے گی یا وہ شریعت کی رسوم ادا کرے گا قتل کر دیا جائے
 گا۔ چنانچہ اس کی تصریح خود کتابِ مقاب میں اول کے پہلے باب میں ہے
 ڈاکٹر ملنر لکھتے ہیں کہ یہ امر مسلم ہے کہ عہدِ عتیق کے تمام نسخے یروشلم اور
 ہیئیل کے ساتھ بخت نصر کے لشکر کے ہاتھوں برباد ہو گئے۔ عذر اُٹھ کے
 نسخوں کی نقلیں بھی مادۃ اینٹونوکس میں منافع ہو گئیں۔ اور ان کتابوں
 کی کوئی گواہی نہ تھی جب تک کہ مسیح اور ان کے حواریوں نے شہادت

(۳) ان کتابوں کے بعض بعض لغو معنایں۔ اور انبیاء کے اوپر بیہودہ الزامات اس بات کی صاف شہادت دیتے ہیں کہ ان میں کثرت سے تحریف کی گئی ہے۔ مثلاً حضرت لوطؑ کی بیٹیوں نے ان کو شراب پلائی اور ان سے حل لیا۔ حضرت ہارونؑ نے گلے کا بھڑا پو جا حضرت سلیمانؑ نے بت ہستی اور شرک کو اختیار کیا اور اسی حالت میں مرتے دم تک رہے۔ کیونکہ یہ اس قسم کی باتیں ہیں کہ جو شخص انبیاء پر ایمان رکھتا ہے وہ جانتا ہے کہ ان داغوں سے دامن نبوت قطعاً پاک ہے۔

علماء اہل کتاب کی دیانت پر نہایت تعجب ہوتا ہے کہ انھوں نے دینی اغراض سے وحی آسمانی اور کلام الہی میں تحریف کو روا رکھا۔ قرآن ان کا ذکر کرتے ہوئے نہایت افسوس کے ساتھ کہتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِلَّذِينَ يَكْتُمُونَ الْكِتَابَ
بِأَيْدِيهِمْ ثُمَّ يَقُولُونَ هَذَا مِنْ
عِنْدِ اللَّهِ ۗ

افسوس ہے ان اہل کتاب پر جو اپنے ہاتھوں سے کتابیں لکھتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اللہ کی طرف سے نازل ہوئی ہے۔

تعجب ہے کہ بعض معنفین اسلام نے یہ لگھا ہے کہ بائبل میں تحریف لفظی نہیں بلکہ معنوی ہے اس سے نہ صرف ان کی بائبل کی حالت سے لاعلمی ظاہر ہوتی ہے بلکہ قرآن سے بھی کیونکہ قرآن ان میں تحریف لفظی کا مدعی ہے۔

يَمْزُقُونَ الْكَلِمَةَ عَنْ مَوَاضِعِهَا ۗ

وہ الفاظ کو اپنی جگہ سے بدل دیتے ہیں۔

چنانچہ بائبل سے تبدیل۔ اخراج۔ الحاق وغیرہ ہر قسم کی تحریف کی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں ڈاکٹر مل نے صرف چند ناجیل کا مقابلہ کیا تھا جن میں تیس ہزار اختلافات کے نشانات دئے تھے۔

خود بائبل میں تحریف کی اندرونی شہادت موجود ہے۔

تم کیسے کہتے ہو کہ ہم دشمن ہیں رب کی خیریت ہمارے پاس ہے
یقیناً جھوٹے کاتبوں کے قلموں نے اس کو جھوٹ سے بدل دیا ہے۔

دیرمیاہ اصحاح ۸۔ آیت ۱۸

پھر اس کے بعد ہے۔

جب یہ گروہ تجھ سے پوچھے کہ رب کی وحی کیا ہے تو ان سے کہہ دے
کہ کون سی وحی۔ میں تم سے انکار کرتا ہوں کہ وہ قول رب کا ہے۔ جو
نبی یا کاہن یا گروہ یہ کہے گا کہ رب کی وحی ہے۔ میں اس کو سزا دوں گا
اور اس کے گھر والوں سے بدلہ لوں گا۔ اسی طرح پوچھو تم آدمی اپنے
ساتھی سے، بھائی اپنے بھائی سے کہ کیا حجاب دیا رب نے اور کیا
کلام کیا رب نے۔ لیکن رب کی وحی اس کا ذکر نہ کرو۔ کیونکہ یہاں ہر
آدمی کی اسی کی وحی ہوتی ہے اس لئے کہ تم نے تحریف کر ڈالا اللہ کے
کلام کو۔ جو کہ زندہ اللہ۔ رب الافواج اور ہمارا معبود ہے دیرمیاہ اصحاح

۲۲۔ آیت ۳۳۔ ۳۶

اناجیل :- اناجیل کی حیثیت ایک مشکوک تاریخ سے زیادہ نہیں ہے

مستی کی اصل انجیل دنیا سے مفقود ہے۔ اس کا صرف یونانی ترجمہ باقی ہے
 لوقا اور مرقس وغیرہ حواری بھی نہ تھے۔ چنانچہ تیسری ہی صدی عیسوی
 میں اناجیل کی صحت میں اختلاف واقع ہو گیا تھا۔ اور بہت سے لوگوں
 نے یہی کہا کہ وہ حواریوں کی طرف غلطی سے منسوب ہیں۔

ایک انجیل جو پرانا با حواری کی طرف منسوب ہے اور بابائے روم
 کے کتب خانہ سے دستیاب ہوئی تھی مقوڑا زمانہ ہوا ہے کہ شائع کی گئی ہے
 وہ چونکہ ابتدائے عہد سے عیسائیوں میں متروک تھی اس لئے نسبتاً تحریف
 سے بھی محفوظ رہی ہے۔ چنانچہ اس کے اکثر مضامین قرآن سے مطابقت
 رکھتے ہیں۔

وید

ہندو جو اپنے چاروں وید یعنی رگ وید یجر وید۔ شام وید اور اتھروں
 وید کی قدامت کے قائل ہیں ان کے پاس بھی مطلق کوئی ثبوت اس
 بات کا نہیں ہے کہ یہ کتابیں آسمانی ہیں نہ وہ یہ بتا سکتے ہیں کہ کس سند
 سے یہ ہم تک پہنچیں اور کن لوگوں پر نازل ہوئیں۔ اور ان کے آسمانی نہ
 ہونے کے بہت سے وجوہات ہیں جن میں سے چند لکھتا ہوں۔

دہا آسمانی کتاب کے لئے یہ لازم ہے کہ اپنے الہامی ہونے کی مدعی
 بھی ہو۔ قرآن نے سیکڑوں آیات میں تنزیل ہونے کا دعویٰ کیا ہے لیکن
 ان ویدوں میں سے کسی ایک میں بھی یہ دعویٰ نہیں پایا جاتا۔ اس لئے یہ

آسمانی کتابیں نہیں ہو سکتیں۔ ان کے معتقدین محض اپنی عقیدت مندی سے ان کو الہامی کہنے لگے ہیں۔

(۲) تاریخوں سے ان ویدوں کی اصلیت کا کچھ پتہ نہیں چلتا۔ بعض ہندو قائل ہیں کہ ان ویدوں کو بیاس جی نے جو زرتشت کے زمانہ میں تھے اور بلخ میں جا کر اس کے مرید ہو آئے تھے تصنیف کیا ہے۔ اسی وجہ سے ان کو وید بیاس جی کہتے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ویدوں کے منتروں کے آخر میں جن رشیوں کے نام آتے ہیں وہی لوگ ان کے مصنف ہیں۔ پنڈت کرشن کمار بھٹیا چاریہ جو پریزیڈنسی کالج میں سنسکرت کے پروفیسر تھے، انھوں نے لکھا ہے کہ رگ وید کے حصے اس ملک کے شاعروں اور رشیوں نے تصنیف کئے ہیں اور وہ مختلف زمانوں میں لکھے گئے ہیں۔ اتھروں وید کے متعلق اکثر بیڈٹوں کی تحقیق یہ ہے کہ وہ کسی برہمن کی بنائی ہوئی کتاب ہے جو بعد میں ویدوں کے ساتھ ملا دی گئی ہے جو کبھی بکٹ میں جو ہندوؤں میں ایک شبرک کتاب تسلیم کی جاتی ہے اور جو ان تعلیمات کا مجموعہ ہے جو راجہ راجندر جی کو ان کے استاد نے دی تھیں لکھا ہے کہ صرف اتھروں وید ہی کے وید ہونے میں بحث نہیں ہے بلکہ کل ویدوں کا یہی حال ہے۔ اور کوئی ان میں سے ایسا نہیں ہے جو تغیر تبدیل یا کمی بیشی سے خالی ہو۔

(۳) جب ہم ان ویدوں کے معنوں میں پر نظر ڈالتے ہیں تو ان میں

توحید کم اور شرک بیشتر پاتے ہیں۔ اس کے مخاطب زیادہ تر چرواہے اور کسان ہیں۔ اس میں قمار بازی بھی ہے۔ اور جا بجا حیوانی اور شہوانی جذبات کا ذکر ہے۔ بعض بیانات تہذیب سے عاری ہیں۔

پھر بھلا ایسی نامعلوم حقیقت، غیر مستند اور غیر مفید کتاب کیونکر آسمانی کہی جاسکتی ہے۔ الغرض قرآن کے سوا جن کتابوں کے آسمانی ہونے کا دعویٰ کیا جاتا ہے وہ نامعتبر جنہوں نے ان کو لکھان کے حالات جمہول جن زبانوں میں وہ نازل ہوئیں وہ زبانیں مردہ۔

فَإِنَّ قَدْ هُمُومُونَ لَا إِنَّ هُوَ كَذِبٌ كَرِيمٌ
 وَاللَّعَلِّ مِّنْكُمْ
 یہ ایسی کتاب ہے کہ وہ لوگ بھی جو اس کے قائل نہ تھے اس کی تعریف کئے بغیر نہ رہ سکے۔ مداؤ ویل لکھتا ہے۔

قرآن میں ایک نہایت گہری حقانیت ہے جو ان لفظوں میں بیان کی گئی ہے جو باوجود مختصر ہونے کے قوی اور صحیح رہنمائی اور الہامی مکتوں سے مملو ہیں۔

ڈیون پورٹ نے لکھا ہے۔

مجموعہ ان بہت سی خوبیوں کے جن پر قرآن فخر کر سکتا ہے دو تہا
 ہی عیاں ہیں۔ ایک تو وہ مودبانہ انداز اور عظمت جس کو قرآن اللہ کا ذکر یا اشارہ کرتے ہوئے ہمیشہ مد نظر رکھتا ہے۔ کہ وہ اس کی

طرف خواہشاتِ رذیلہ اور انسانی جذبات کو منسوب نہیں کرتا۔ اور
دوسری خوبی یہ ہے کہ وہ تمام تاجہذب اور ناشائستہ خیالات و حکایات
اور بیانات سے بالکل منزہ ہے جو بد قسمتی سے یہود کے صحیفوں میں
عام ہیں۔ قرآن تمام ناقابل انکار عیوب سے بالکل مبرا ہے۔ اس پر
خفیف سے خفیف حروف گیری بھی نہیں ہو سکتی۔ اس کو شروع سے
آخر تک پڑھ جائے مگر تہذیب کے رخساروں پر ذرا بھی جھیب کے
اثر نہیں پائے جائیں گے۔

تفسیر قرآن

عہد نبوت ہی میں قرآن کی تفسیر اور تشریح کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔ صحابہ اور نیز تابعین میں ایک جماعت علوم قرآنیہ میں نامور اور ممتاز ہوئی۔

پہلی تفسیر

جب تدوین کتب شروع ہوئی تو خلیفہ عبدالملک اموی کی فرمائش سے پہلی صدی ہجری کے اواخر میں سعید بن جبیر نے قرآن کی تفسیر مدون کی۔

تیسری صدی ہجری میں امام ابن جریر طبری نے اپنی مشہور تفسیر لکھی۔ اس میں انہوں نے بسلسلہ اسناد اس کل علم کو جمع کر دیا جو قرآن کے متعلق اس وقت تک مسلمانوں کے پاس تھا یہ اُمّ التفسیر کہی جاتی ہے۔ کیونکہ زمانہ مابعد میں جس قدر تفسیریں لکھی گئی ہیں ان سب کا ماخذ یہی ہے۔

کثرت تفسیر

طبری کے بعد علماء اسلام نے اس قدر تفسیریں لکھیں جن کا شمار نہیں کیا جاسکتا۔ جس طرح محدثین اور فقہاء کی کثرت تھی اسی طرح مفسرین کی بھی ایک جماعت کثیر ہر زمانہ میں رہی۔ بعض بعض تفسیریں اس قسم کی لکھی گئی ہیں جو دو دو سو اور تین تین سو جلدوں میں ختم ہوئی ہیں۔ تفسیر حدائق پانسو جلدوں میں ہے۔

تفاسیر میں خرابی

لیکن زمانہ قدیم میں تفاسیر میں ایک خرابی یہ واقع ہوئی کہ مفسرین نے روایات کے سلسلہ استاد کو حذف کر دیا۔ جس کی وجہ سے نبی اسرائیل کے خرافات قصے اور عجیبوں کے لغو افسانے جو تفسیروں میں آگئے تھے سلسلہ اقوال بان لائے گئے اور وہی ان تفاسیر میں سلسلہ بسلسلہ نقل ہونے لگے۔ دوسری خرابی یہ ہو گئی کہ لوگوں نے زیادہ تر اپنے خاص خاص عقائد کے مطابق تفسیریں لکھنی شروع کیں۔ معتزلہ نے اعتزال اور صوفیوں نے تصوف کے رنگ میں آیات کے معانی لکھے۔ اور اپنے اپنے خیالات کے مطابق ان کی تاویل کی۔ اس وجہ سے جس قدر تفاسیر کی کثرت ہوئی گئی تھی اسی قدر قرآن کی اصلی اور صحیح تعلیم ہی بعد ہوتا گیا۔

محمد بن حمزہ کرمانی کی تفسیر العجائب والغرائب کے متعلق جس میں اس نے عجیب و غریب باتیں مندرج کی تھیں جب امام بلقینی سے پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا کہ ایسے مفسر محمد ہیں اسی طرح حقائق التفسیر کے بارے میں جو صوفیاء رنگ میں ہے امام واحدی نے کہا کہ جو شخص اس کو تفسیر سمجھے وہ کافر ہے۔

اہل تشیع نے جو تفسیریں لکھی ہیں ان میں اپنے خاص عقائد کے اثبات کے لئے ایسی ایسی ناجائز اور غلط تاویلات کی ہیں جو سراسر معنوی تحریفات ہیں۔

حقیقت یہ ہے کہ قرآن ایک روشن اور مفصل کتاب ہے۔ وہ اپنی تفسیر آپ ہے اللہ تعالیٰ نے اس کو نہایت بسین اور آسان بنا یا ہے۔ وہ انسانی تشریح و تفسیر کا مطلق محتاج نہیں ہے۔ البتہ کتب تفسیر سے اس کے طریقہ فہم اور اہم مسائل میں مدد ملتی ہے۔ موجودہ تفسیروں میں سب سے مقدم طبرکی ہے۔ قرآن فہمی کے لئے آج بھی سب سے اچھا ذخیرہ وہی ہے۔

کیونکہ اس سے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ ہمارے سلف صالح نے اس کتاب کو کس طرح پر سمجھا تھا۔ اور اگرچہ اس میں نہر قسم کی رطب و یابس روایتیں ہیں لیکن سلسلہ سند موجود ہونے کی وجہ سے ان کی تحقیق بہت آسان ہے۔ اسی تفسیر کی نسبت بعض علمائے اسلام کا قول ہے کہ اس کے حاصل کرنے کے لئے اگر کوئی شخص عرب سے چین تک کا سفر کرے تو کوئی بڑی بات نہ ہوگی۔

تراجم قرآن

اسلامی پرچم کے ساتھ ساتھ عربی زبان دنیا میں پھیلی اور مسلمانوں کی یہی خواہش رہی کہ جو قومیں اسلام میں داخل ہوں وہ قرآن کو اس کی اصلی زبان یعنی عربی ہی میں پڑھیں۔ چنانچہ موحدین کی سلطنت کے زمانہ میں جن کا تسلط الجزائر سے اندلس تک ۵۲۲ھ سے ۶۶۱ھ تک رہا ہے جب قرآن کا ترجمہ بربری زبان میں کیا گیا تو وہاں کے علمائے سختی کے ساتھ اس کی مخالفت کی۔ اور غیر عربی میں اس کی تعلیم کونا جائز قرار دیا۔ آخر کار وہ ترجمہ فنا کر دیا گیا۔

اجازت ترجمہ

لیکن ائمہ اسلام نے اس میں تکلیف اور نقصان دیکھ کر قرآن کے ترجمہ کی اجازت دی ہے۔ چنانچہ فارسی زبان میں اس کے ترجمے ہوئے اور شیخ سعدی شیرازی متوفی ۶۹۱ھ نے بھی اس کا ایک ترجمہ لکھا۔ ترکی زبان میں بھی ترجمے کئے گئے۔

ہندوستان میں قدیم خیال کا تعصب عرصہ دراز تک باقی رہا۔ جب شاہ ولی اللہ صاحب نے قرآن کا فارسی میں ترجمہ لکھا تو اس زمانہ کے مولو پولوں نے مخالفت کی۔ اور دہلی کی مسجد فتحپوری میں ان کے قتل تک کے لئے آمادہ ہوئے۔ اب تو ہندوستان میں یہ کیفیت ہو کہ گھر گھر قرآن کے ترجمے ہو رہے ہیں۔

یورپ میں ترجمے

یورپین اقوام کو جب علوم و فنون کی طرف میلان ہوا تو انہوں نے بھی قرآن کے ترجمے شروع کئے۔ لیکن ترجمہ بجائے خود ایک ایسی چیز ہے کہ اس میں سوائے معانی کے کلام کی تمام حالتیں بدل جاتی ہیں۔ علاوہ یورپ میں قرآن کے یورپین مترجمین بوجہ اپنے مناسبتی تعصب کے اس کی معنوی خوبیوں کے بھی قائل نہ تھے۔ اس لئے وہ اچھے ترجمے نہیں کر سکا بلکہ بعض لئے نا واجب نکتہ چینیوں سے قرآن کی خوبیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی۔ بعضوں نے ساتھ ہی ساتھ اس کی تردید بھی کی۔ چنانچہ لیڈوئس مراکشی نے قرآن کا جو ترجمہ کیا تھا اس کے شائع کرنے کی اجازت اس وقت تک نہیں دی گئی جب تک کہ اس کے ساتھ اس کی تردید بھی نہ شامل کر دی گئی

یورپ میں قرآن کے جو ترجمے ہوئے ہیں ان کے متعلق خود وہاں کے اہل بصیرت کی رائے سننے کے قابل ہے۔ کارلائل کہتا ہے اصلیت یہ ہے کہ قرآن یورپ کے کافر کے پاس اپنی اصلی شکل میں نہیں پہنچا۔

مشہور مصنف مانشیور سیوارسی نے لکھا ہے۔

جس طرح پر قرآن یورپ میں پیش کیا گیا ہے اس سے یہ کبھی گمان نہیں کیا جاسکتا کہ وہ عربی میں لیکتا اور بے مثل ہے۔

سٹرگاڈ فرے ہیگنس نے لکھا ہے

اگر عبرانی کتب مقدسہ کا ترجمہ اس طرح شائع کیا جائے کہ ہر لفظ قابل تبدیل متین اور شائستہ معنی سے ذلیل اور غیر مہذب معنی میں بدل دیا جائے اور ہر آیت کا مضمون جوڑ توڑ اور ناقابل برداشت غلط ترجموں اور تاویلوں کے ساتھ مصنف پر معیوب معنی پہناتے کا ذریعہ بنایا جائے اور ایک بے قیما اور خراب شرح اس کے ساتھ لگا دی جائے تو اس ذریعہ کا کسی قدر تصور بندھ سکتا ہے جس کی وساطت سے قرآن کی اشاعت یورپ میں ہوئی ہے۔

ترجمہ کی فہرست

قرآن کے معمولی ترجمے یورپ کی مختلف زبانوں میں بہت سے ہوئے ہیں ان میں سے جو مروج اور مشہور ہیں ان کی تفصیل یہ ہے۔

نمبر شمار	نام مترجم	زبان	سن ترجمہ
۱	ڈلمنی	لاطینی	۱۱۴۳ء
۲	انڈریا ارافا بینی	اطالی
۳	جوہانس انڈریاسن	ایروگوئین (اسپین کا ایک صوبہ)	۱۵۵۰ء
۴	شوگیئر	جرمن	۱۷۱۶ء
۵	انڈو ورائر	فرینچ	۱۷۳۶ء

نمبر شمار	نام مترجم	زبان	سن ترجمہ
۶	الیکزینڈر راس	انگلش	۱۶۳۹ء
۷	لیڈولس مراکشی	لاطینی	۱۶۹۸ء
۸	جارج سیل	انگلش	۱۶۳۲ء
۹	میگرین	جرمن	۱۶۶۲ء
۱۰	-----	روسی	۱۶۶۶ء
۱۱	سیواری	فرینچ	۱۶۸۳ء
۱۲	جے۔ ایم ماڈویل	انگلش (بہ ترتیب نزول)	۱۸۲۹ء
۱۳	فائل	جرمن	۱۸۲۸ء
۱۴	گارسن ڈی ٹاسی	فرینچ	۱۸۲۹ء
۱۵	کاسمرسکی	فرینچ	۱۸۴۰ء
۱۶	المان	جرمن	۱۸۴۰ء
۱۷	پروفیسر بالمر	انگلش	۱۸۸۰ء

مترجمین کا تعصب

۱۸۴۰ء میں قرآن کا پہلا ترجمہ ہوا وہ زمانہ ہے جب کہ یورپ کے عیسائی مسلمانوں سے سخت مذہبی تعصب رکھتے تھے۔ اس زمانہ کے پیشواؤں کی ان متعصبانہ فلفط بیانیوں کو جو انہوں نے اسلام کے متعلق کی تھیں اب خود اہل یورپ نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اسی زمانہ میں

یہ ترجمہ کنیسہ کلوجنی کے استغف کی ہدایت کے موافق دو شخصوں نے مل کر
 لاطینی زبان میں کیا تھا۔ ایک انگریز رابرٹ این کس اور دوسرا جرج منٹینی
 نامی تھا۔ پھر اطالیہ، اور جرمنی وغیرہ میں اسی متعصبانہ ترجمہ سے ترجمے کئے گئے
 انہیں ترجموں کی بدد سے انڈر وڈرائٹ نے فریخ میں ترجمہ کیا اور انہیں سے
 ایگزٹڈ اس نے ۱۶۴۹ء میں سب سے پہلا انگریزی ترجمہ کیا۔ سینٹ پیٹر
 برگ میں پہلا ترجمہ ۱۶۶۶ء میں جو کیا گیا تھا وہ بھی انہیں ترجموں سے ماخوذ تھا
 الغرض ابتدا ہی سے یورپ میں قرآن کی اشاعت صحیح شکل میں نہیں ہوئی۔

ایک ترجمہ کی ضرورت

خود مسلمانوں کا یہ فرض ہے کہ قرآن کا ایک صحیح ترجمہ کسی قدر تشریح
 کے ساتھ یورپ میں شائع کریں۔ چند سال ہوئے قادیانیوں کی طرف سے
 ایک ترجمہ انگریزی زبان میں شائع کیا گیا ہے۔ لیکن اس میں تاویلات
 رکیکہ اس قسم کی ہیں جن کو کوئی اہل بعیرت مسلمان پسند نہیں کر سکتا۔
 اس لئے اس سے وہ فرض ادا نہ ہو سکا۔ قرآن کو اس کی اصلی شکل میں
 پیش کرنا چاہئے نہ کہ اپنے خیال کے مطابق شعر

داستانِ فصلِ گلِ خوش می سراید عند لیب

زافہا اشفتہ تر گفتند ایس افسانہ را

قرآن کا پایۂ علمی

قرآن وحی الہی و شریعت حقہ کا منبع اور ہر قسم کی دینی اور دنیوی صحیح تعلیمات کا لب لباب ہے۔ امام بیہقی لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس قدر کتابیں انبیاء سابقین پر نازل فرمائیں ان سب کی تعلیمات کو قرآن شامل ہے۔ اور قرآن کا سارا علم اجمالاً اس کے دیباچہ سورہ فاتحہ میں ہے۔

جاہل نے اس قول کی تشریح اس طرح کی ہے کہ وہ علوم جو قرآن میں ہیں یا دوسرے لفظوں میں جن پر شریعت حقہ کی بنیاد قائم ہے چار ہیں۔ اول ان سب کو سورہ فاتحہ شامل ہے۔

(۱) اصول۔ اس کا مدار معرفت ذات و صفات الہی پر ہے۔ اس کی طرف رب العالمین اور الرحمن الرحیم سے اشارہ ہے۔
(۲) نبوت۔ نعمت علیہم سے انبیاء اور ان کے تبعین یا اخلاص مراد ہیں۔

(۳) معاو۔ مالک یوم الدین میں اس کا اجمالی عقیدہ ہے۔

(۴) عبادات۔ ایک نعبہ جملہ عبادات کو شامل ہے۔

قرآن جن علوم پر مشتمل ہے ان کے اسی عنوان علامہ جلال الدین سیوطی نے اپنی کتاب التفاع میں قائم کئے ہیں اور ہر ایک پر مستقل تصانیف علماء اسلام کی نام بنام لگائی ہیں۔

تاریخی حیثیت سے جب ہم دیکھتے ہیں تو قرآن کو جملہ علوم اسلامیہ کا مرکز پاتے ہیں مسلمانوں کے ہر علم کی بنیاد اسی سے پڑی ہے مختصر اس کا بیان لکھتے ہیں۔

کتابت

بلاذری کے بیان کے مطابق اسلام سے پہلے کل حجاز میں صرف سترہ آدمی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔

ظہور اسلام کے بعد عربی خط کا منارہ بلند ہونا شروع ہوا۔ جس کا اصل باعث قرآن کریم ہے۔ کیونکہ پہلی وحی جو رسول اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی اس میں تھا۔

عَلَّمَ بِالْقَلَمِ لَعَلَّمَ الْإِنْسَانَ
مَا لَمْ يَعْلَمْ ۙ

اللہ نے قلم سے علم سکھایا۔ اور آدمی کو وہ باتیں سکھائیں جن کو وہ نہیں جانتا تھا۔

دوسری سورہ میں اللہ نے قلم اور نوشتوں کی قسم کھائی۔

تَوَالِقَلَّمَ وَمَا يَسْطُرُونَ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ
قَلَمٌ كَالقَلَمِ لَعَلَّمَ الْإِنْسَانَ
مَا لَمْ يَعْلَمْ ۙ

چنانچہ عرب میں سب سے پہلے جس نے قلم سکھایا وہ خط کی اشاعت کی کوشش کی وہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے۔ کیونکہ علاوہ اس کے کہ وحی الہی اودان خطوط کے لئے جو غیر مالک کے بادشاہوں کو بھیجے جاتے تھے آپ کو کاتبوں کی حاجت تھی امت اسلامیہ کو علمی قوم بنانے کے لئے اس کی سخت ضرورت تھی۔ اس لئے آپ کی خواہش یہ تھی کہ بالعموم اہل اسلام

میں کتابت راج کر دیں۔ اس کی شہادت اس واقعہ سے بھی ملتی ہے کہ
اسیرانِ بدر میں سے جن کو لکھنا آتا تھا ان کا یہ فدیہ آپ نے مقرر کیا تھا کہ
مدینہ کے دس دس آدمیوں کو لکھنا سکھا دیں اور آزاد ہو جائیں۔

علم تفسیر

سب سے پہلے مسلمانوں نے جس علم کی طرف توجہ کی وہ تفسیرِ قرآن
ہے عہد صحابہ اور نیز اس وقت تک جب تک کہ محض اہل عرب اسلام میں
داخل ہوئے تھے قرآن کے سمجھنے میں زیادہ دشواری نہیں پیش آتی تھی۔
لیکن جب دوسری قومیں مسلمان ہوئیں تو تفسیرِ آیات میں اختلافات
پڑنے شروع ہوئے۔ اس غرض کے لئے بہت سے لوگوں نے ان احادیث
اور آئینہ کی جستجو کی جن میں آیاتِ قرآنی کی تفسیر خود نبی صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہ
نے فرمائی تھی۔ ان سے علم تفسیر کی بنیاد پڑی۔

سیر و معازمی

قرآنِ فہمی کے لئے اس امر کی بھی بہت سخت ضرورت تھی کہ آنحضرت
کے حالات، واقعات اور اخبار جمع کئے جائیں۔ کیونکہ بغیر ان کے آیتوں
کے موقعہ و محل و شان نزول وغیرہ کا پتہ نہیں ملتا۔ اس لئے ایک جامع
لئے ان امور کے جمع کرنے کی طرف توجہ کی۔ اس سے سیر و معازمی کا فن
مرتب ہوا۔

حدیث و اسما و الرجال :- قرآن کی تعلیمات و تلقینات کی آنحضرت نے

جو تشریح و تفصیل فرمائی تھی اس کی فراہمی بھی لا بدی تھی تاکہ عبادات و معاملات
اخلاق و آداب وغیرہ مفصل طور پر سمجھے جاسکیں۔ ایک جماعت نے یہ کام
کیا۔ اور تمام حدیثیں فراہم کیں۔ پھر ان کی صحت اور غلطی جانچنے کے لئے فن
رجال مرتب کیا۔ جس میں رواد کے حالات مدون کئے۔

ادب و لغت

غیر اہل عرب کے لئے یہ بھی ضروری تھا کہ وہ عربی زبان سیکھیں تاکہ
قرآن سمجھ سکیں۔ اس غرض کے لئے ایک جماعت نے عرب کے بیابانوں
میں در بدر خاک چھان کر عربی الفاظ و محاورات امثال اور اشعار جمع کئے
اس سے علم ادب اور فن لغت کی ترتیب ہوئی۔

صرف و نحو

عجمیوں کے لئے ایک دشواری یہ بھی تھی کہ وہ عربی زبان کے اعراب
ٹھیک نہیں پڑھ سکتے تھے۔ چنانچہ ایک شخص نے اس آیت کو
اِنَّ اللّٰهَ بَرِيٌّ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ لَا وَّ اللّٰهُ بِرِيٌّ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ سے اور اس

رِسْوَلَةٌ ۙ

کارِ سُولِ بِحَقِّ
بکسر لام یعنی رسولہ پڑھا جس سے آیت کے معنی یہ ہو گئے کہ اللہ مشرکوں
اور اپنے رسول دونوں سے بری ہے۔ اس وجہ سے لوگوں کو اس کی
طرف توجہ ہوئی اور قواعد لسانیہ ترتیب دئے گئے۔

معانی و بیان :- گو عربی زبان پہلے ہی سے فصاحت و بلاغت و

قوت و شوکت میں بلند رتبہ رکھتی تھی لیکن قرآن نے اس کو اس سے بھی بلند
 ترین رتبہ پر پہنچا دیا اور عربوں کی عبارتوں اور خطیبوں کے خطبوں کے لئے
 اس کی آیتیں زبور ہو گئیں جن سے وہ اپنے کلام کو آراستہ کرتے تھے اور
 وہی کلام اہل علم کے نزدیک زیادہ پسندیدہ ہوتا تھا جس میں قرآن کی آیتیں
 زیادہ تر استعمال کی جاتی تھیں۔ ائمہ فن لئے فصاحت و بلاغت کے تمام تر
 اصول قرآن ہی سے اخذ کر کے علم معانی و بیان کو مدون کیا۔
 فقہ و اصول فقہ

یہ امر بھی ضروری تھا کہ قرآن سے شریعت کے جو احکام مستنبط ہوں وہ
 ایسے قانونی اصول پر ہوں جن سے استنباط کی کیفیت معلوم ہو سکے۔ اس
 غرض کے لئے امام شافعیؒ نے اصول فقہ وضع کیا۔ پھر جو احکام مستنبط ہوئے
 وہ بھی جمع کئے گئے اور ان کا نام فقہ رکھا گیا۔
 کلام و عقائد

قرآن کی تعلیمات پر فلسفیوں، علماء اور زندقوں نے جب اعتراضات
 کرنے شروع کئے تو ان کے جوابات دینے کے لئے مسلمانوں نے بھی فلسفہ الہیاتی
 یعنی علم کلام و عقائد کی بنیاد ڈالی۔

الغرض جس قدر اسلامی علوم ہیں ان سب کا ہاتھ قرآن ہی کے محور
 پر گردش کرتا ہے۔

مقبولیت و اشاعت قرآن

۱ دنیا میں اللہ تعالیٰ کا دیدار نہ کسی کو نصیب ہو سکتا ہے نہ اس ہی طاقات
میسر سکتی ہے یہاں اگر اس کی ہم کلامی کا کوئی ذریعہ ہے تو صرف یہی قرآن
ہے۔ جس کی تلاوت میں ایک قرب معنوی انسان کو اس کے ساتھ ہوتا
ہے۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

در سخن حتی شدم چوں گئے گل در برگ گل

میل دیدن ہر کہ دار و در سخن بیند مرا

حفظ و تلاوت

یہ کلام چونکہ قرب الہی، تزکیہ قلب اور روحانی پاکیزگی کا وسیلہ ہے اس لئے
اس کا حفظ اور اس کی تلاوت امت کے واجبات اولیہ میں سے قرار
پائی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا حکم دیا گیا۔

وَأَمْرٌ أَنْ أَكُونَ مِنَ الْمُسْلِمِينَ ۝
وَأَنْ تَقْرَأُوا الْقُرْآنَ ط ۳۴
اور قرآن کی تلاوت کروں۔

۵ آنحضرتؐ خود بھی اس کی تلاوت فرماتے تھے اور مسلمانوں کو بھی اس
کی تاکید کرتے رہتے تھے۔ آپ نے فرمایا۔

جو مسلمان قرآن کی تلاوت کرتا ہے اس کی مثال نارنگی کی ہے
جس کا ذائقہ بھی اچھا اور خوشبو بھی عمدہ۔ اور جو مسلمان قرآن نہیں

پڑھتا وہ مثل خرابا کے ہے جو خمیر میں تو ہوتا ہے۔ لیکن خوشبو دار نہیں ہوتا۔ اور جو منافق قرآن پڑھتا ہے وہ بمنزلہ ریحاں کے ہے جس میں خوشبو تو ہے لیکن اس کا مزہ کر لوں ہے اور جو منافق قرآن بھی نہیں پڑھتا وہ خطل کے مشابہ ہے جس میں خوشبو مطلق نہیں اور بید تلخ ہے۔

علاوہ ازیں کہ اس کی تلاوت عبادت ہے اس کی دلکش عبارت اس قسم کی ہے کہ کلام عرب میں اس کی کوئی نظیر نہ تھی۔ نہ تو یہ کاہنوں کی متر سے ملتی جو بہ تکلف مستحجبتائی جاتی تھی اور نہ شعرا کی نظم سے مشابہ ہے جس میں قافیہ اور وزن کی پابندی کی جاتی تھی۔ بلکہ ایک عجیب و غریب نثر ہے جو جدت اسلوب، ندرت ترکیب، فصاحت و بلاغت اور معنوی لطافت و نزاکت کے لحاظ سے اس قدر انوکھی اور دلنشین ہے کہ اہل عرب کے کان ایسے کلام سے مطلقاً آشنا نہ تھے اس لئے وہ اس پر جان کر عالم و شیدا ہو گئے۔

کاہنوں نے کہانت چھوڑ دی۔ شعرا شعرا خواتین بھول گئے۔ خطیبوں نے خطبہ موقوف کیا اور سب نے قرآن کو ایسا نعم البدل پایا کہ جس سے جس قدر ہو سکتا تھا اسی کو پڑھتا تھا اور اسی کی تلاوت سے تسکین قلب اور روحانی سرور حاصل کرتا تھا۔ حضرت لبید بن ربیعہ جو عربی کے ان ممتاز شاعر میں سے تھے جن کے قصائد ناجواب ہونے

کی وجہ سے خانہ کعبہ میں لٹکا دئے گئے تھے۔ اسلام لانے کے بعد قرآن میں
 انہوں نے وہ لذت پائی کہ پھر شاعری کا کبھی نام بھی نہ لیا۔
 صحابہ کرام کا یہ حال تھا کہ راتوں کو اٹھ اٹھ کر اس کو پڑھتے تھے۔ اور بعض
 بعض لوگ ان میں اس قسم کے تھے کہ ان کو اس کی تلاوت سے سیری نہیں
 ہوتی تھی۔ وہ کبھی کبھی ساری ساری رات اس کی تلاوت میں گزار دیتے تھے
 مثلاً حضرت عثمان۔ عبداللہ بن عمر۔ عبداللہ بن مسعود وغیرہ رضی اللہ عنہم۔
 سلمان۔ بڑے اور جوان، عورتیں اور بچے سفر میں حضر میں، لڑائی
 کے میدانوں میں، گھروں میں رات کو دن کو فرض کسی حالت میں اس
 کی تلاوت سے غافل نہیں ہوتے تھے۔ اس کتاب کا نام اللہ تعالیٰ نے
 قرآن رکھا جس کے معنی ہیں پڑھنے کی چیز۔ اصل اس نام ہی میں یہ
 پیشین گوئی مضمون تھی کہ یہ کتاب بخلاف دیگر کتب آسمانی کے قیامت تک
 بہت زیادہ پڑھی جائے گی۔

اور یہ بھی قرآن کا ایک اعجاز ہے کہ وہ جس قدر اور جتنی بار پڑھا جائے
 اسی قدر اور اتنا ہی زیادہ دلکش اور لطیف معلوم ہوتا ہے۔ ورنہ کسی کتاب
 کو آدمی جب کئی بار پڑھ لیتا ہے تو پھر اس کی طبیعت اس سے گھبرانے
 لگتی ہے۔

شوق کتابت

قرآن کی کتابت بھی ایک عبادت ہے۔ مسلمانوں کو اس کے

لکھنے کا جس قدر شوق تھا اس کا اندازہ کچھ اس سے ہو سکتا ہے کہ ۲۵ء
 میں حضرت عثمانؓ نے اس کے نسخے صوبوں میں بھیجے تھے۔ اس کے
 بعد ۳۰ء میں جب صفین کا واقعہ پیش آیا تو صرف امیر معاویہ کی فوج
 میں سے پانسو قرآن نیزوں پر اٹھائے گئے تھے۔ اسی پر قیاس کیا جا
 سکتا ہے کہ ہر صوبہ میں اس عرصہ میں کس قدر کثیر تعداد میں اس کے
 نسخے لکھے گئے ہوں گے۔

سونے۔ چاندی اور ہاتھی دانت کی تختیوں پر اس کی آیتیں لکھی
 جاتی تھیں خاص خاص محفلوں کے لئے حریر اور دیبا کے حروف تراش کر
 قرآن کے مناسب حال فقرے آویزاں کئے جاتے تھے۔ مسجدوں کی
 محرابوں، کتب خانوں اور قبرستانوں میں اسی کی آیتوں کے کتبے ہوتے
 تھے۔ خلفاء اور سلاطین خود اپنے ہاتھوں سے قرآن کے نسخے لکھتے
 تھے اور اس کو ثواب اور نجات کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ اس کے بعض بعض
 نسخوں پر حجاب بھی کہیں کہیں کتب خانوں میں موجود ہیں لاکھ لاکھ
 اشرفیاں صرف کی گئی ہیں۔

الغرض مقبولیت کا انتہائی عروج جس پر دنیا کی کوئی چیز آج تک
 نہیں پہنچ سکی تھی اس پر قرآن پہنچا۔
 نشر و اشاعت

عہد نبوت ہی میں یہ دستور جاری ہو گیا تھا کہ جب کوئی قوم یا

جماعت مسلمان ہوتی تھی تو آنحضرتؐ اپنے صحابہ میں سے ایک یا چند کو قرآن کی تعلیم دینے کے لئے اس کے پاس بھیج دیتے تھے۔ ہر قبیلہ میں اسی کو امیر مقرر فرماتے تھے جو ان میں قرآن سے زیادہ واقف ہوتا تھا۔ عہد فاروقی میں ہر اسلامی آبادی میں تعلیم قرآن کے لئے مکاتب اور مدارس قائم کئے گئے اور معلمین کی تنخواہیں بیت المال سے مقرر کر دی گئی۔ ان کو یہ ہدایت کر دی گئی کہ قرآن کے ساتھ عربی ادب کی بھی تعلیم دیں۔ حضرت عثمان کے زمانہ میں تعلیم قرآن اور بھی زیادہ بڑھادی گئی۔ جہاں جہاں تک حدود اسلام پھیلے ہر جگہ اس کی اشاعت اور تعلیم کا بندوبست کیا گیا۔ لڑکے اور لڑکیوں کو ابتدا میں اسی کی تعلیم دی جانے لگی جو اب تک برابر رائج ہے۔

جہاں جہاں مسلمان پھیلے ان کی بنگلوں میں قرآن رہا۔ اور اس قدر اس کی اشاعت کی کہ آج مسلمانوں میں سے جن میں دنیا کے ہر حصہ کے رہنے والے اور ہر زبان کے بولنے والے شامل ہیں مشکل سے کوئی فرد ایسا مل سکے گا جس کو اس کتاب کا کوئی حصہ یاد نہ ہو۔ اور لاکھوں اہل بیتیں گے جو پورے قرآن کے حافظ ہوں گے۔

مدنیّت اور قرآن

یہ ایک حقیقت نفس الامری ہے کہ دنیا میں علوم اور معارف کی جس قدر روشنی پھیلی۔ اور تمدن اور تہذیب نے جتنی ترقی کی یہ سب نتیجہ ہے اُن آسمانی تعلیمات کا جو انبیاء علیہم السلام کے ذریعہ سے بنی نوع انسان کو ملیں جن لوگوں نے ان کو مانا وہ براہ راست فیضیاب ہوئے۔ اور جنہوں نے نہیں مانا وہ اُن کو دیکھ کر اثر پذیر ہوئے۔ بہر صورت انہیں آسمانی علوم نے اقوام عالم کے دماغوں میں وسعت اور روشنی پیدا کی جس کی وجہ سے وہ تمدن اور تہذیب کی شاہراہ پر چل گئیں۔

جو لوگ کہتے ہیں کہ بنی نوع انسان کی ترقی و تہذیب اور ہر قسم کی ایجادات و اختراعات کے لئے اس کی خداداد عقل اور آسمان و زمین کے کھلے ہوئے صحیفے کافی ہیں وہ غلطی پر ہیں یہی کائناتِ فطرت کی کتاب اور یہی انسانی دماغ امریکہ اور اسٹریلیا میں بھی تو تھے۔ مگر جس وقت وہاں متمدن انسان پہنچا تو اس نے وہاں کے باشندوں کو کس حالت میں پایا۔ مالا تکہ اب وہی لوگ ہیں جو علوم و فنون میں متمدن اقوام کے ساتھ دوش بدوش چل رہے ہیں۔

اس دلیل سے مذکورہ بالا دعوے کی صحت میں کچھ شبہ نہیں رہ جاتا اور صاف معلوم ہو جاتا ہے کہ دنیا میں جو کچھ ترقی انسان نے کی ہے وہ

انبیاء کی تعلیم کا فیض ہے۔ اور قرآن چونکہ ان تمام بہترین تعلیمات کا مکمل مجموعہ ہے جو وحی کے ذریعہ سے دنیا میں نازل ہوئیں اس لئے اس لئے انسانی دماغ میں وہ وسعت پیدا کی جو اس سے پہلے نہیں ہوئی تھی۔ خود عرب کو دیکھو کہ ایک جاہل اور وحشی قوم تھی۔ لیکن ان کی کیا حالت ہو گئی کہ ایمان و روم کی سلطنتیں جن کی شوکت و قوت کا سکہ دنیا پر بیٹھا ہوا تھا ان کی تمدنی عظمت کو سجدہ کرنے لگیں۔ اور وہ علوم و فنون و تہذیب میں کس بلند رتبہ پر پہنچ گئے۔ اور دنیا میں کیا کچھ انہوں نے کر دکھایا۔

یورپ جو آج کل معراج ترقی پر ہے اس کو جو کچھ حاصل ہوا ہے وہ مسلمانوں سے حاصل ہوا۔

الغرض جس طرح رات کی سنان تاریکی کے بعد سورج کے نکلنے سے دنیا میں روشنی اور ہل چل پیدا ہو جاتی ہے۔ اور زندگی معلوم ہونے لگتی ہے اسی طرح قرآن بھی ایک آفتاب ہے جس نے دنیا سے جہالت اور توہم پرستی کی ظلمت کو مٹا دیا۔ اور عقائد و خیالات اور اسحاق و آداب کے علاوہ اصول سلطنت و تمدن کو روشن و منور کر کے ایک عظیم الشان انقلاب عالم میں پیدا کر دیا۔ مگر اہوں کے لئے وہ شمع ہدایت ہے اور روحانیت کے پیاسوں کے لئے چشمہ آب حیات۔

قریضہ ملیہ

قرآن آسمانی رحمت، سرچشمہ ہدایت اور ذریعہ سعادت دارین ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں فرمایا ہے۔

یَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ مَوْعِظَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِّمَا فِي الصُّدُورِ وَهُدًى وَرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِينَ ۝

لوگو! تمہارے پاس تمہاری رب کی طرف سے نصیحت اور اس بیماری کی شفا جو دلوں میں ہے اور مومنین کے لئے رحمت اور ہدایت آسکی۔

دوسری جگہ ارشاد کیا ہے۔

يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكُمْ نُورًا مُّبِينًا ۚ فَأَمَّا الَّذِينَ آمَنُوا بِاللَّهِ وَاعْتَصَمُوا بِهِ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِي رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ ۚ وَ

لوگو! تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس حجت آسکی۔ اور ہم نے نمایاں روشنی تمہاری طرف اتاری اب جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں گے اور اس کو مضبوط پکڑیں گے وہ ان کو اپنی رحمت اور فضل میں داخل کرے گا۔ اور اپنی طرف سے ہدایت دے گا۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں امت کو جو وصیت فرمائی تھی اس کا ایک فقرہ یہ بھی ہے۔

لوگو! میں تمہارے درمیان ایک ایسی چیز چھوڑتا ہوں کہ جس کو اگر مضبوط پکڑو گے تو کبھی گمراہ نہ ہو گے۔ وہ قرآن ہے۔ ۝

اقوام ظلم کو آگاہ کرنے اور ان کے پاس پہنچانے کے لئے پیغمبر کو جو پیغام دیا گیا تھا وہ یہی قرآن ہے۔

قُلِ اللَّهُ شَهِيدٌ بِتَعْمُرِ وَبَيْنِكُمْ ذَاتٌ
 أَوْحَىٰ إِلَىٰ هَٰذَا الْقُرْآنَ لِأَنَّكُمْ
 بِهِ وَمَنْ بَلَغَهُ ۗ

اور پیغمبر کہدے کہ میری اور تمہاری درمیان میں
 اللہ گواہ ہے اور مجھ پر یہ قرآن بندوبست وحی کا اتارا
 گیا ہے کہ اس کا ذریعہ تم میں تم کو اور ان لوگوں
 کو جن کو یہ پہنچانے آگاہ کروں۔

تبلیغ رسالت جس کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم مامور فرمائے گئے تھے

اس کا سرمایہ یہی قرآن ہے۔

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ
 مِنْ رَبِّكَ مَا وَرَانَ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا
 بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۗ

اور رسول جو کچھ تیرے رب کے پاس سے
 تیری طرف نازل کیا گیا ہے وہ لوگوں کو
 پہنچادے اور اگر تو نے ایسا نہیں کیا تو
 اس کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے اسی قرآن کو امت اسلامیہ کے لئے دستور العمل مقرر کیا

اور فرمایا۔

اتَّبِعُوا مَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ مِنْ رَبِّكُمْ
 وَلَا تَتَّبِعُوا مِنْ دُونِهِ أَوْلِيَاءَ ۗ

اُسی کی پیروی کرو جو تمہارے رب کے
 یہاں سے تمہاری طرف اتارا گیا ہے۔ اور
 اس کے سوا اولیوں کی پیروی نہ کرو

جب تک نبی صلی اللہ علیہ وسلم موجود ہے وہ اس کتاب کے مبلغ اور امت

اسلامیہ کے شاہد ہے۔ ان کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس کا وارث اپنے

مختب بندوں کو بنایا اور فرمایا۔

لَمَّا وَدَّعْنَا الْكِتَابَ الَّذِي نُنَاصِفُكُنَا
مِنْ عِبَادِنَا ۚ ۳۵
پھر ہم نے اپنے برگزیدہ بندوں کو اس
کتاب کا وارث ٹھہرایا۔

پیغمبر کے بعد یہی ماطلین و وارثین قرآن اقوام عالم کے لئے مبلغ اور شاہد
قرار پائے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَكُنَّا بِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِنُكَلِّمَ
شَهَدَاءَكُمْ عَلَى النَّاسِ وَلِيَكُونَ الرَّسُولُ
عَلَيْكُمْ شَهِيدًا ۚ ۳۶
اسی طرح ہم نے تم کو سب سے بہتر امت
بنایا کہ لوگوں پر تم گواہ رہو اور رسول تمہارے
اوپر گواہ ہے۔

۴ اس خیر امت کی خصوصیت امتیازی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اصل

مفہوم یہی ہے کہ قرآن کی تعمیل، تعلیم، تبلیغ اور اشاعت کرے۔ یہی مسلمانوں
کا فریضہ ملی قرار دیا گیا۔ اور وعدہ کیا گیا کہ اگر تم اس پر قائم رہو گے تو تم کو جہنمی
میں فلاح اور دنیا میں خلافت دی جائے گی۔ چنانچہ جب تک مسلمان

اس فریضہ کو ادا کرتے رہے اللہ تعالیٰ ان کو عروج پر عروج دیتا رہا۔ اور ایسی

بلند رتبہ پر پہنچایا کہ جس پر آج تک دنیا کی کوئی قوم نہیں پہنچ سکی۔ لیکن
زمانہ مابعد میں امت اسلامیہ پر ایک عام غفلت چھا گئی۔ اور وہ اس فرض

کی ادائیگی کو چھوڑ بیٹھی۔ مسلمانین اور امرار و دولت و جاہ کے نشہ اور مٹھ پرستی
میں پڑ گئے۔ ان کو قرآن کی تبلیغ سے کوئی سروکار نہ رہا۔ زاہدوں اور صوفیوں

کا فار و مدار بزرگوں کے ملفوظات پر رہ گیا۔ اور علماء دین اپنی ضرورتوں کے لئے عقائد اور فقہ کی چند کتابوں کو کافی سمجھنے لگے۔ انہیں کی تعلیم و تدریس ہونے لگی اور انہیں سے فتاویٰ لکھے جانے لگے اور قرآن عملاً اور عملاً متروک و بھور ہو گیا۔ **إِلَّا مَا شَاءَ اللَّهُ۔**

کیا عجیب بات ہے کہ علوم اسلامیہ کے نصاب درس میں بہت سے لغو اور بیکار فنون کی تو چار چار پانچ پانچ کتابیں ہیں لیکن قرآن کریم جس کو اللہ تعالیٰ نے اس امت کے لئے اصل دینی نصاب مقرر فرمایا اس میں نادر ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ سورہ بقرہ کی ایک معمولی تفسیر اس طرح پر پڑھنا ہی جاتی ہے کہ اس سے پڑھنے والوں میں کبھی قرآن کا ذوق صحیح نہیں پیدا ہو سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ کے ہندوستان کے اکثر علماء علوم قرآنیہ سے بے خبر اور اس کے ذوق سے نا آشنا ہیں۔

سادات اور کبار امت کا جب یہ حال ہے تو عوام کا کیا پوچھنا۔ ان کے نزدیک تو قرآن صرف تلاوت اور برکت کے لئے ہے اور بس۔

پیغمبر نے جو شکایت اپنی قوم کی کی تھی آج تمام امت کے حق میں وہ

صحیح ہے۔

وَقَالَ الرَّسُولُ يَا رَبِّ إِنَّ قَوْمِي

يَتَّبِعُونَ بِيئْرِي لِيُكْفِرُوا بِيَئْرِي وَيَكْتُمُوا بِيَئْرِي
لِيُكْفِرُوا بِيَئْرِي وَيَكْتُمُوا بِيَئْرِي
لِيُكْفِرُوا بِيَئْرِي وَيَكْتُمُوا بِيَئْرِي

ہمارا یہ فرض تھا کہ ہم جس امانت کے حامل اور جس کتاب کے وارث

اور مبلغ قرار دئے گئے تھے اُس کو اقوام عالم تک پہنچاتے۔ لیکن اوروں کے پاس پہنچانا تو درکنار ہم خود اس کو چھوڑ بیٹھے اور مسلمانوں کو بھی مسلمان نہ رکھ سکے یہاں تک کہ امت کا بڑا حصہ نہ صرف شرک و بدعت و رسم پرستی میں مبتلا ہو کر گمراہ ہو گیا بلکہ قرآن سے جاہل رہنے کی وجہ سے اُن کے عقائد اور خیالات میں تفریق پیدا ہو گئی جس کی وجہ سے امت کی وہ وحدت دینی جس کو قرآن نے پیدا کیا تھا مٹ گئی۔ اور فرقہ فرقہ ہو کر اس کا شیرازہ بکھریا قرآن چھوڑنے کا جو نتیجہ ہونا چاہئے تھا وہ بھی عیاں ہے کہ دین کے ساتھ دنیا بھی گئی۔ اسی امت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ وعدہ تھا۔

وَلَكِنْ يَجْعَلُ اللَّهُ لِلْكَافِرِينَ عَلَى
الْمُؤْمِنِينَ سَبِيلًا
نہ دے گا۔ اللہ تعالیٰ ہرگز کافروں کو مسلمانوں پر راہ

لیکن آج مسلمان روئے زمین کے اکثر حصہ میں کفار سے مغلوب اور خستہ حال ہیں اور دشمنوں کی محکومی کے سخت دردناک قومی عذاب میں گرفتار اور اقوام عالم کی نگاہوں میں ذلیل و خوار ہیں۔
ہمارے سلف کہہ گئے ہیں

لَا يَصْلِحُ آخِرُهُمْ إِلَّا بِأَمْرِ الْأَوْلِيَاءِ
صالح اولہا
اس امت کے بچپوں کے اصلاح بھی
اسی سے ہوگی جس سے انگوں کی ہوتی تھی

لہذا علماء امت کا فرض ہے کہ اس مبارک کتاب کی تعلیم و اشاعت میں ہمہ تن مصروف ہو جائیں۔ اس پر خود عمل پیرا ہوں۔ اور بنو نہ بن کر امت کو

عمل کرائیں۔ پھر دیکھیں کہ جو وعدے اللہ تعالیٰ نے کئے تھے وہ کس طرح پورے نہیں ہوتے۔ اس نے خود فرمایا ہے۔

أَوْفُوا بِالْعَهْدِ إِنَّ أَوْفِي الْعَهْدِ كَمُذِيَّبٍ تَمِيرُوهُ كَوَلِيَّةِ كَرِيمٍ تَهْدِيهِمْ كَوَلِيَّةِ كَرِيمٍ
 اب میں اپنی نظم شمعِ مکت کا آخری بند نقل کر کے سلسلہ کلام ختم کرتا ہوں۔
 چھوڑ کر قرآن کو مسلم حق سے بیگانہ ہوا
 وہ کتاب آسمانی بھٹل راہِ نجات
 نسو کسیر جاں فاروئے بیمار تی بدل
 ظلمتِ باطل ہوئی کا فوجیں کو نور کی
 گلہاں جس کی بدولت نائبِ حق ہو گئے
 آج بھی موجود ہے ہم میں وہی شمعِ ہدیٰ
 دیکھنا تم رقصِ مجنوں کا تماشا دشت میں
 دیں کو بھی رسوا کیا اور آپ بھی رسوا ہوا
 نور کا ایک چشمہ روشن ہے جو بہتا ہوا
 رحمتِ حق کا صحیفہ عرش سے اتر ہوا
 آشکارا شانِ حق کا دہر میں جلو ہوا
 بوسہ گاہ بادشاہاں جن کا نقش پا ہوا
 کاش آئے ماہ پر پھر کارواں بھٹکا ہوا
 سامنے اس کے اگر پھر مسلِ لیلی ہوا

نور سے معمور پھر سارا جہاں ہو جائے گا

اسماں سے ابر رحمت و درفشانِ جلائے گا

اللَّهُمَّ هِدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ وَصِرَاطَ الَّذِينَ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ لَا
 خَيْرَ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ وَأَخِرَ دَعْوَانَا إِنَّ الْحَمْدَ لِلَّهِ
 رَبِّ الْعَالَمِينَ وَالصَّلَاةَ عَلَى رَسُولِهِ الْأَمِينِ